اعلیحضرت علمائے بھاولپور کی نظر میں

مصنف

حضرت علامہ الحاج الحافظ

مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی قدس سرہ

www.FaizAhmedOwaisi.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

اعلیحضرت علمائے بہاولپور کی نظر میں

مصنف

مفسرِ اعظم پاکستان، فیضِ ملت، آفتابِ اہلِ سنّت، امام المناظرین، رئیس المصنفین

حضرت علامہ الحاج الحافظ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی قدس سرہ

با اہتمام

حضرت علامہ مولانا حمزہ علی قادری

ناشر

قطب مدینہ پبلشرز مدینۃ المرشد (کراچی)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

فقیر کو امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ سے سن شعور سے ہی عقیدت کی گویا گھٹی پلائی گئی۔ بچپن میں والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت شاندار طریقہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے محاسن و کمالات کا بیج بویا، حفظ القرآن کے دوران حضرت عبدالغفور صاحب فریدی مصاحب حضرت بلبل فرید خواجہ محمد یار گڑھی اختیار خان رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سے خوب تر شناسا کرایا۔ موصوف فقیر کے حفظ القرآن کے دوران رفیق اسباق تھے۔ پھر فقیر نے مدرسہ منبع الفیوض حامد آباد، ضلع رحیم یار خان کی بنیاد رکھی تو فقیر کی شاگردی اختیار کی پھر حفظ القرآن کی تدریس میں لگ گئے چونکہ کھاتے پیتے گھرانے کے فرد تھے اسی لئے یہ خدمت مفت فی سبیل اللہ سرانجام دی اور اس خدمت کو خوب نبھایا کہ فقیر کے دارالعلوم منبع الفیوض کے حفاظ اپنی مثال خود تھے۔ بہر حال ایسے رفیق شفیق سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ فقیر کو نہ صرف عقیدت بلکہ زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کی یاد بن گیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سلسلۂ تصانیف شروع ہوا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحقیق مسلک پر ہی کام کیا، حضرت حکیم اہلسنّت حکیم محمد موسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شناسائی ہوئی تو انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر مضامین لکھنے پر لگایا۔ ایک دفعہ بڑی قد آور شخصیت سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی فقاہت پر انعامی مضامین کا اعلان کر کے فقیر کو مجبور فرمایا کہ اس پر ضرور لکھیں، ان دنوں فقیر کی بہاولپور کی ہجرت نے مختلف اور سخت پریشانیوں نے گھیرا ڈالا ہوا تھا اس کے باوجود فقیر نے طویل مضمون سپرد قلم کیا۔ تمام قد آور شخصیات کے مضامین میں سے فقیر کے مضمون نے انعام پایا۔ حکیم صاحب مرحوم نے علاوہ تحسین و آفرین کی عزت افزائی کے ساتھ ایک صد ۱۰۰ روپیہ انعام سے نوازا۔ یہ مضمون مجلس رضا لاہور نے ''الدرۃ البیضاء فی فقہ امام احمد رضا'' کے نام سے شائع بھی کیا۔ پھر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تبحر علم الحدیث پر علماء کرام وفضلاء عظام کو دعوتِ تحریر دی گئی، فقیر کو بھی اس میں شامل کر کے حکیم صاحب نے زوردار نامہ بھجوایا کہ اس مضمون کو ضرور معرض تحریر میں لائیں۔ اس پر بھی فقیر نے طویل مضمون بھجوایا، بنام ''امام احمد رضا اور علم الحدیث'' یہ مضمون بھی الحمد للہ خوب پسند کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس مضمون کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور انڈیا سے علماء کرام نے تہنیت کے والا نامے بھجوائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے متعلق عالم اسلام کے علماء کرام کی تحریریں سامنے آئیں تو فقیر نے چاہا کہ بہاولپور کے علماء

کرام کی آراء بھی اس سعادت سے حصّہ لیں چنانچہ فقیر نے اپنی معلومات پر یہ مجموعہ تیار کیا اس کی مقبولیت کی یہ کیفیت ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں یہ مقالہ تین رسائل میں شائع ہوا۔(۱) ادارہ تحقیقات رضا، کراچی کا ''معارف'' ۱۹۸۴ء (۲) ''ترجمان لاثانی'' علی پور سیدان (۳) ''فیض عالم'' بہاولپور۔ان ہر تینوں کا طریقۂ کار مختلف ہے اور کم وبیش بھی ان کے علاوہ دیگر رسائل کے ساتھ ساتھ پمفلٹ کی صورت میں متعدد بار شائع ہوا۔

فقیر نے اپنی تصانیف کی اشاعت عزیزم حاجی محمد احمد و حاجی محمد اسلم، کراچی باب المدینہ کے سپرد کیا، خدا تعالیٰ بطفیل حبیب کریم ﷺ صاحبِ مضمون کی طرح اسے قبول فرما کر فقیر اور ناشرین کے لئے توشۂ راہ آخرت اور ناظرین کے لئے مشعل راہ بنائے۔آمین

بجاه حبيبه الكريم الرؤف الرحيم صلى الله عليه وعلىٰ آله واصحابه اجمعين

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

۶ ربیع الاوّل شریف ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا ومرشدنا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو نہ صرف خطۂ ہند کے علماء ومشائخ نے مجدّد مانا بلکہ عرب وعجم کے تمام مشاہیر اکابر نے آپ کی تجدید کا اعتراف فرمایا اور آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔اس وقت چونکہ ہمارا روئے سخن نبی کے علماء ومشائخ سے ہے۔وہ بھی اختصار کے پیشِ نظر چند بزرگوں کی تصریحات عرض کرتا ہوں۔سب سے پہلے فقیر اپنے استادِ مکرم حضرت سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا آغاز کرتا ہے۔

سراج الفقہاء

آپ اپنے دور میں فقاہت وفن میراث میں ثانی نہ رکھتے تھے۔یہاں تک کہ سید میر شریف رحمۃ اللہ علیہ کی شریفی سراجی کے ذوی الارحام کی بحث پر تنقید فرمائی تو علمائے زمانہ نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ایسی شخصیت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے متعلق خود بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھادی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ان کی تصنیفات کو علم وتحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔وہ تو صرف چند مروجہ رسومات وبدعات کے مجوز ہیں۔ان کی علمیت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیامِ میلاد، فاتحہ،عرس، گیارھویں، نذرونیاز اور نداء وغیرہ ''امورِ بدعیہ'' سے متعلق ہیں۔چنانچہ تمام طلباء کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔میں نے بعض لوگوں سے ان کے تجرِ علمی کی باتیں سُن رکھی تھیں جنہیں ہمارے حلقے میں مریدین ومعتقدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔اتفاق سے مجھے رسالہ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے **(ذوی الارحام)** کی صنفِ رابع کے حلم میں الجھن پیدا ہوئی۔میں نے اس کے حل کے لئے دیوبند، سہارنپور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلّی بخش جواب نہ آیا۔سب نے سراجی پر ہی اکتفا کیا۔میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے وہ سوال مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا۔ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آگیا۔انہوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک وشبہات رفع ہوگئے۔

اب آپ حضرات سراج الفقہاء کا استفتاء اور فقیہہ اجل اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفرین نادر وغیر مطبوع فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔یاد رہے کہ حضرت سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہِ ولایت، غواصِ

معرفت وحقیقت حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑانی قدس سرہٗ کے مرید اور آپ کے والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ کے خلیفۂ مجاز تھے اور خواجہ صاحب قدس سرہٗ وہ ہیں جنہوں نے دیوبندیوں کے دوستوں خلیل احمد انبیٹھوی ومحمود الحسن دیوبندی کو بہاولپور کے مناظرہ میں خارجی بنا کر نکالا اور فرمایا کہ عقائد دیوبندی لوگ خوارج سے متعلق ہیں۔ پھر آپ کے عاشقِ صادق نواب بہاولپور مرحوم نے حکم نافذ فرمایا کہ ریاست بہاولپور کی حدود میں عقائد دیوبند رکھنے والوں کا داخلہ بند ہے۔

باوجود اینہمہ حضرت سراج الفقہاء پر ہم نشینوں کی صحبت نے اس حد تک پہنچا دیا سچ ہے

ے یار بد بدتر از مار بد

نوٹ

وہ استفتاء اور جواب فتویٰ تفصیل کے ساتھ سوانح سراج الفقہاء طبع کردہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور میں چھپا ہے۔

سراج الفقھاء پکے سُنّی بن گئے

اس جواب کو دیکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی کے متعلق میرا اندازِ فکر یکسر بدل گیا اور ان کے متعلق اور دیگر تصنیفات منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد ونظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ گئے۔ (یہ بیان سوانح سراج الفقہاء سے لئے گئے ہیں) اور خود فقیر نے اپنے کانوں سے بھی سُنا۔ بلکہ اُن کو تو فقیر نے اتنا محقق پایا کہ وہ اپنے دور میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ مفتی بلوچستان وسندھ مولانا ہمایوں مرحوم کے فتاوئ پر تنقید وتبصرہ کی باتیں اکثر بیان فرمایا کرتے، حالانکہ مولانا ہمایونی مرحوم فقہ میں ابوحنیفہ ثانی مشہور تھے۔

فقیھہ شھر مولوی نظام الدین احمد پوری

مولوی نظام الدین اپنے دور میں فقیہہ لاثانی مشہور تھے۔ علمائے دیوبند اس کی فقاہت کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ وہ مولوی خلیل احمد پر شرح وقایہ کی عبارت لے کر اعتراض کرنے گئے۔ جب انبیٹھوی بہاولپور کے عربی مدرسہ میں مدرس تھا۔ بعد فراغ کسی نے مولوی مذکور سے انبیٹھوی کے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ علم تو بہت زیادہ نہیں کہ ابھی نوعمر ہیں مگر تیز اور سمجھدار البتہ بہت ہیں۔

فقیھہ مذکور نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے متعلق کھا

جب میرے استاد حضرت سراج الفقہاء رحمۃ اللہ علیہ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فیضان کا اثر ہوا تو فقیہہ مذکور سے

آپ کی ملاقات ہوئی اُن کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ خالی از دلچسپی نہیں۔

سراج الفقھا

اسی دور میں احمد پور کے ایک مشہور فقیہہ مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی۔ یہ مولانا تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء سے ممتاز تھے اور کسی کو اپنا ہم عصر تصور نہیں کرتے تھے۔ عقائد کے اعتبار سے غیر مقلد تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے پر گفتگو ہوئی کہ حدیثِ صحیح کے مقابل قولِ فقہاء پر عمل کرنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ ''الفضل المذھبی فی معنی اذا اصح الحدیث فھو مذھبی'' کے ابتدائی اوراق منازلِ حدیث کے انہیں سُنائے تو کہنے لگے یہ سب منازلِ فہمِ حدیث مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس کہ میں اُن کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔ پھر فقہ کے چند مسائل کے جوابات رسائلِ رضویہ سے سُنائے گئے تو کہنے لگے علامہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے حضرت سراج الفقہاء فرماتے ہیں میں اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ علامہ شامی کی بحث کو بیان فرما کر اپنی بحث کا اظہار کر کے فرمایا کہ الحمدللہ میرا فہم مطابق ظاہر الراویہ آیا۔ بقول اس وقت میرے پاس مبسوط نہیں تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ صرف اطلاق سرخی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے۔ بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحثِ فقیر بحمداللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ وللہ الحمد

ناظرین اب حضرت سراج الفقہاء کے دو مکتوبِ گرامی ملاحظہ فرمائیں جن سے ان کے خیالات کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ مکتوب مکرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ہیں۔

مکتوب نمبر1

مکرم و محترم مولانا صاحب! زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ ملا، شکریہ۔ اعلیٰ حضرت مجدّد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی علیت وفقاہت پر مجھ سے مضمون لکھوانا۔

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب تک سارے علوم عقلیہ و نقلیہ میں باکمال نہ ہو فقہ میں ناقص ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ہر علم میں کمال تھا۔ مولوی نظام الدین فقیہہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہم عصر علمائے دیوبندی وغیرہ سے اپنے آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی اوراق

منازلِ حدیث کے سُنائے تو کہنے لگے یہ سب منازلِ صحیح حدیث مولانا کو حاصل تھے۔افسوس میں اُن کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔پھر چند مسائلِ فقہ کے جوابات مسائلِ رضویہ سے سُنائے تو کہنے لگے کہ علاّمہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں۔یہ تو امامِ اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔میں اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ شامی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔میں نے جب رسالہ " زبدہ سراجیه فی علم المیراث و المیقات و الوصیه" تصنیف کیا۔صنف رابع ذوی الارحام میں رسائلِ میراث جو سراجی کے خوشہ چیں ہیں سب نے لکھا کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت اور ولایت عصبہ سے ترجیح نہیں ہے۔

مگر شامی نے فتویٰ دیا کہ عم عمہ کی جہت سے ولد العصبہ خال خاکہ کی جہت والے غیر عصبہ کے ولد کو محروم کرتا ہے۔علامہ شامی نے "العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ" میں فرمایا جن کے نزدیک ولد عصبہ کو ترجیح ہے۔انہیں قوتِ قرابت کو بھی مرجح ماننا پڑے گا کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔اس کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میں نے استفتاء بھیجا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تنقیح حامدیہ پر میں نے اس کے برخلاف تحقیق لکھی مگر اس وقت مبسوط سرخی میرے پاس نہ تھی۔الحمدللہ نص صریح ظاہر الروایہ یہ میری تحقیق کے مطابق اسی میں آئی ہے۔یہ ہے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمودہ جس پر ہر محقق اندازہ لگا سکتا ہے کہ فقاہت میں کتنے رفیع القدر تھے کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہر الروایہ ان کی مؤید تھی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جس فن میں قلم اٹھایا اُس کے آئمہ کو مبہوت کر دیا۔دیکھو رسالہ حاجز البحرین ردِ نذیر حسین دہلوی امام اہلحدیث رسالہ "فوزِ مبین ردِ حرکتِ زمین" وغیرہ۔فتاویٰ میراث میں سائل فاضل ہداہ اللہ تعالیٰ کا خطاب دے کر دعا کی جو میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی اُسی وقت جاتی رہی۔الحمد للہِ کل الحمد

مورخہ ۱۱۔اپریل ۱۹۴۹ء

دستخط:

حررہ سراج احمد مکھن بیلہ، مفتی سراج العلوم

(خان پور)

مکتوب نمبر2

میں نے تصنیف رسالہ کے وقت صنف رابع ذوی الارحام کا مسئلہ جو معرکۃ الآراء تھا ہر ادارہ دیوبند، سہارن پور، دہلی وغیرہ کی طرف ارسال کیا۔ کسی سے جواب حل نہ آیا۔ آخر کار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ ان کے رسائل سے معلوم ہوا تو اُن کی خدمت میں وہ مسئلہ پیش کیا۔ سُبحان اللہ حضرت کی وسعتِ علم وفہم پر قربان جایئے کہ مسئلہ کا ایسا حل فرمایا کہ تمام اختلافاتِ کتب اور شکوک وشبہات رفع ہوگئے اور دیگر علمیہ فوائد کثیرہ پر مشتمل پایا جس سے علمائے متقدمین کی یاد تازہ ہوئی اور قلب کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ (وہ فتویٰ شریف سوانح سراج الفقہاء کے ساتھ شائع ہوا)

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑانی کے مرید اور حضرت خواجہ نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور اپنے زمانہ میں صاحب تصرّف تھے۔ فقیر اُویسی غفرلہٗ کو زمانہ طالبعلمی میں ان کے کتب خانہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی قلمی تصانیف بھی باصرہ نواز ہوئیں۔ فقیر نے سرسری طور پر چند ایک کی اوراق گردانی کی تو جابجا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مجدّدِ وقت اور بڑے بڑے اعلیٰ القابات سے یاد فرمایا اور اپنی ہر تحقیق کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے مستند کیا بلکہ فتاویٰ رضویہ میں کئی فتاویٰ کا استفتاء آپ کے نام سے منسوب ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا فیضانِ کرم ہے کہ جب مرزائیوں نے حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے ملفوظات میں مرزا قادیانی کی تحریریں لکھوادیں تو سب سے پہلے آپ تھے جنہوں نے تحریری رَدّ لکھوا کر عوام کو متنبہ کیا کہ یہ تحریری ملفوظِ فریدی میں جعلی اور من گھڑت ہیں ان پر خواجہ صاحب کے صاحبزادے حضرت خواجہ نازک کریم اور حضرت خواجہ فیض احمد صاحب چاچڑانی قدس سرہما کو شاہد عدل بنا کر خواجہ صاحب کے ملفوظات کو مرزائیت کے سیاہ دھبّے سے بچایا۔ (دیکھوان کا ماہنامہ ''انوار احمدی'' فرید آباد ضلع رحیم یار خان)

حضرت مولانا محمد یار گڑھی اختیار خاں رحمۃ اللہ علیہ

آپ اگرچہ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہٗ کے مرید اور تصوف میں ان کے پیروکار تھے لیکن اپنے مواعظ کا مرکز بریلی شریف کو بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست بہاولپور کے علماء میں خطۂ ہند و پنجاب میں جتنی پذیرائی مولانا کو نصیب ہوئی

اتنی کسی اور کو نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دے کر مسلکِ اہلسنّت کی پاسبانی کی عین ہدایت پر تبلیغ اسلام کو سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ جب بھی انہیں مخالفین ستاتے تو مشکل کشائی کے لئے بریلی شریف کی طرف رجوع فرماتے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کا رسالہ ''اعلیٰ حضرت علماء و مشائخ بہاولپور کی نظر میں'' فقط۔ واللہ اعلم۔

مولانا عبدالرحیم واعظ مرحوم

آپ خیر پور ٹامیوالی میں رہتے تھے۔ فقیر ۱۹۴۶ء بسلسلۂ حفظ القرآن حاضر ہوا تو اُن سے تعارف ہوا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ان کو والہانہ عقیدت تھی۔ غیور ایسے تھے کہ جب ان کا لڑکا ریاض رحمانی احرار میں شامل ہوا تو اُس کو اپنے سے علیٰحدہ کر دیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مترجم قرآن مجید مطبوعہ بریلی شریف مجھے عنایت فرمایا۔

آسمان تحقیق وتدقیق کے نیرِ اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز سے استفتاء[1]

قدوۃ الفضلا، سراج الفقہاء بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھا دی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہٗ العزیز) کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ ان کی تصنیفات کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف چند مروّجہ رسومات و بدعات کے مجوز ہیں۔ ان کی علمیّت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیامِ میلاد، فاتحہ، عرس، گیارہویں، نذر و نیاز اور نداء غیر اللہ وغیرہ ''امورِ بدعیہ'' سے متعلق ہیں۔ چنانچہ عام طلباء کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے ان کے تبحرِ علمی کی باتیں سن رکھی تھیں جنہیں ہمارے حلقے میں مریدین و معتقدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی نظرِ عنایت شامل حال تھی کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے

---

[1] یاد رہے کہ اس استفتاء سے سب سے پہلے بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے آگاہ کیا۔ حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوری (رحمۃ اللہ علیہ) کے حکم پر فقیر نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی فقاہت پر مقالہ لکھا۔ اور چونکہ دیگر مقالہ نویسوں سے فقیر کا مقالہ اول نمبر پر آیا اسی لئے کارکنانِ مجلس رضا لاہور کی طرف سے یکصد روپیہ انعام بھجوایا گیا اور بعد کو وہ مقالہ ''الدرۃ البیضاء فی فقاھت احمد رضا'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

حضرت سراج الفقہاء، ایسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔

حسنِ اتفاق سے مجھے رسالہ "میراث" کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنفِ رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لئے دیوبند، سہارن پور، دہلی اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلّی بخش جواب نہ آیا سب نے "سراجی" پر ہی اکتفا کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے کہ وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا۔ ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آ گیا۔ انہوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک وشبہات رفع ہو گئے۔

اب آپ حضرت سراج الفقہاء کا استفتاء اور فقیہ اجل، اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفریں، نادر و غیر مطبوع فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس کا لکھا ہوا فتویٰ دستیاب نہیں ہو سکا بلکہ سنا ہے کہ گم ہو چکا ہے یہ تو جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی علم دوستی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے چند سال قبل جناب صاحبزادہ سیّد محمد فاروق القادری ایم۔ اے سجادہ نشین شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں کے ذریعے اس فتویٰ کی نقل حاصل کر لی تھی ورنہ شاید یہ مبارک فتویٰ کبھی بھی منظرِ عام پر نہ آ سکتا۔ چونکہ یہ فتویٰ نقل سے نقل شدہ ہے اس لئے اس کی تصحیح میں بڑی جانفشانی سے کام لینا پڑا۔ حواشی راقم الحروف کے لکھے ہوئے ہیں جن میں عربی عبارات کے ترجمہ کے علاوہ بعض کتابوں کے صفحات کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ نیز استفتاء کے اختصار کے پیشِ نظر اس کا مطلب تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت مجدّد (مائۃ حاضرہ مولانا) احمد رضا خاں صاحب۔ بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوتِ قرابت ثم الولایت عند اتحاد الجہتہ سے ترجیح، مگر ردالمحتار میں عند اختلاف الجہتہ بھی ولدیت سے ترجیح منصوص (مذکور) اور قوتِ قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی، صنف رابع میں قاعدہ مفتی بہ تحریر فرما دیں تا کہ رسالہ میں لکھوں۔ **بینوا توجروا**

تفصیل سوال از مرتب

ذوی الفروض: وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں ان کی تعداد بارہ ہے۔

عصبات: وہ رشتے دار ہیں جو ذوی الفروض سے باقی ماندہ مال لیں اور تنہا ہوں تو سب مال لے لیں۔

ذوی الارحام: وہ قریبی ہیں جو نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں چوتھی قسم وہ افراد ہیں جو میت کے دادا، دادی، نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ اور جو افراد ان کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوں۔سوال مذکور اسی چوتھی قسم کی اولاد میں تقسیم میراث سے متعلق ہے۔

سراجی میں ہے (۱) جو شخص میت کے زیادہ قریب ہو خواہ اس کا تعلق باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے زیادہ حقدار ہے۔

(۲) کئی شخص قرب میں مساوی ہوں اور حیز قرابت بھی متحد ہو یعنی سب باپ کی طرف سے متعلق ہوں یا سب ماں کی طرف سے تو قوی قرابت والا مستحق ہوگا۔مثلاً میت کی تین پھوپھیوں کی اولاد تھی۔ایک پھوپھی اس کے والد کی سگی بہن تھی، دوسری پدری، تیسری مادری۔اگرچہ یہ تمام اولاد درجے میں برابر ہے اور جہت بھی ایک ہے لیکن پہلی پھوپھی کی اولاد کی قرابت قوی ہے اس لئے صرف وہی وارث ہوگی۔

(۳) کئی شخص قرب درجہ اور قوت میں برابر ہوں جہت بھی ایک ہو تو عصبہ کی اولاد مستحق ہوگی مثلاً سگے چچا کی بیٹی اور سگی پھوپھی کا بیٹا باقی ہو تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔

(۴) چچا اور پھوپھی میں سے کسی ایک کا تعلق قوی ہو تو اس کی اولاد ظاہر الروایۃ میں وارث ہوگی۔مثلاً پھوپھی باپ کی سگی بہن ہے اور چچا صرف باپ کی طرف سے بھائی ہے تو وراثت پھوپھی کی اولاد کو ملے گی۔سوال مذکور کے الفاظ "بعد ترجیح بقرب الدرجه اولاً قوتِ قرابت ثم الولدية عند اتحاد الجهته سے ترجیح" اسی تفصیل کی طرف مشیر ہیں۔

(۵) متعدد اشخاص قرب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی بعض باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں مثلاً چچا کی اولاد، اور بعض ماں کی طرف سے مثلاً ماموں یا خالہ کی اولاد تو "سراجی" کے مطابق "فلا اعتبار لقوة

القرابة ولا لولد العصبة فی ظاهر الروایة" (ص ۲۷ مطبع سعیدی کراچی) یعنی اب نہ تو قوتِ قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ولد عصبہ کا۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ قول مذکور نقل کر کے فرماتے ہیں:

لکن ذکر بعدہ فی معراج الدرایۃ عن شمس الائمۃ ان ظاھر الروایۃ ان ولد العصبۃ اولیٰ، اتحد الحیّز او اختلف فبنت العم لابوین اولی من بنت الخال وانہ وافقہ التمرتاشی ثم قال وفی ضوء السراج الاخذ بروایۃ شمس الائمۃ اولیٰ اھ (ردالمحتار جلد ۵ ص ۵۲۶ مطبع کبریٰ مصر ۱۳۲۶ھ)

معراج الدرایۃ میں شمس الائمہ سے مروی ہے کہ ظاہر الروایہ میں ولد عصبہ اولیٰ ہے۔ جہت متحد ہو یا مختلف لہٰذا سگے چچا کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے اولیٰ ہے۔ تمرتاشی نے اس کی موافقت کی۔ ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ کی روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

اس کے علاوہ علامہ شامی نے اور بہت سی کتابوں کے حوالے ذکر کیے۔

سوال مذکور میں "مگر ردالمحتار میں عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت عصبہ سے ترجیح منصوص" کے الفاظ سے تفصیل سابق کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شامی نے "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں فرمایا۔

فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولا ذی الرحم یلزمہ ان یرجع بقوۃ القرار ایضا لانھا اقویٰ فتامل وراجع . (ج ۲ ص ۳۳۱)

"اس نے ولد عصبہ کو ولد ذی رحم پر ترجیح دی اسے لازم ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دے۔ سوال مذکور کے الفاظ اور قوتِ قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی" کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں اوّل بحالت اختلاف حیز بھی ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں، دوم اگر ہے تو قوتِ قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولیٰ کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں [1] کو ظاہر الروایہ فرمایا گیا اور ترجیح متون کی التزامی [2] ہے اور جانب [3] اثبات صریح تصحیحات تو معتمد یہی ہے کہ ولدِ وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل ہداہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا۔ اس کی عبارات تمامہا عقود میں منقول ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اوّل یعنی عدم ترجیح کو کواکب مفید نے ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحبِ ہدایہ ومتن کنز وملتقی واکثر شروح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے، علامہ حامد آفندی عالمِ متاخر نے اس کو اختیار کیا۔

اقول اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ الفروی مدرس اورنہ نے اپنی کتاب ''حل المشکلات'' تصنیف ۹۶۳ھ میں مشی کی۔ حیث قال بنت [4] عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام اھ بالتلخیص بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجات حسین بن عبد الواحد صدیقی بریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبد الباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف ہی جانا چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے۔ اوّل کی عبارت یہ ہے وان [5] کان واسطۃ قرابتھم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولا اعتبار لقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ۔

عبارت دوم کی یہ ہے۔ ''واگر [6] ہم بدرجۂ قرابت برابر باشند ودرحیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اَب بوند وبعض از جانب اُمّ دریں ہنگام درظاہر الروایت مرقوتِ قرابت وہ ولد عصبہرا اعتبار نہ باشد. پس ولد عم اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی ، اخیافی اولیٰ نبود کہ قوتِ قرابت ولد عم را اعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد

---

[1] ترجیح اور عدم ترجیح کے قول کو کتب مختلفہ میں ۱۲ [2] یعنی صریحی نہیں ۱۲ [3] کہ ولد عصبہ کو ترجیح ہے۔ ۱۲ [4] سگے چچا کی بیٹی کو ۲/۳ اور (والدہ کے مادر زاد بھائی) ماموں کی بیٹی کو ۱/۳ دیا جائے گا۔ کیونکہ والد اور والدہ کے فریقین میں قرابت کی قوت اور ولد عصبہ ہونا معتبر نہیں۔ ۱۲ [5] اگر قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت کو دیا جائے گا۔ قوتِ قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہیں۔ ۱۲

[6] اگر درجہ قرابت میں برابر ہوں اور قرابت کی جہت میں مختلف یعنی بعض باپ کی طرف سے ہوں اور بعض ماں کی طرف سے اس وقت ظاہر الروایت میں قوتِ قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہ ہوگا (اسکے بعد چند مثالوں کا ذکر ہے) ۱۲

عصبہ رااعتبار نیست برقیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علّاتی یا اخیافی اولیٰ نبود باوجود آنکہ عمّہ اعیانی ذوقرابتین است. وولد وارث از جھتین اَب واُمّ زیرا کہ پدرِ اوجدّ صحیح است، ام اوجدہ صحیحہ است."

اسے ظاہرالروایۃ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے اور علامہ سیّد شریف نے اسے مقرر رکھا۔ مدقق علائی نے درمختار میں اس کو مختار رکھا یوں کہ قول متن "واذا استووا فی درجة قدم ولد الوارث" میں واتحدت الجهة کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا" فلوا ختلف فلقرا بة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث " علّامہ سید محمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ" ان اختلف حيزا لقرابة فلا عبرة للاقویٰ ولا لولد العصبة" علّامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نصِ ملتقی پر تقریر کی۔

یہ عبارات ہیں جو اس قول پر نظرِ حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔ فاقول ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ وکنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی وسراجیہ اس پر ہیں۔ فلہٰذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ہذا ظاہر الروایۃ کمافی السراجیہ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الہدایۃ۔ ثانیاً شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی وغایہ امام اکمل وبنایہ امام عینی وغایۃ البیان اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہے۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر خلاف فرمادیا تو ظاہراً غالب[1] شروح ہدایہ کا سبق قلم ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

ثالثاً کنز کی عبارت یہ ہے "وذوو رحم وهو قريب ليس بذی سهم وعصبةٍ (الی ان قال) وترتيبهم كترتيب العصبات والترجيح بقرب الدرجة ثم بكون الاصل وارثاوعند اختلاف جهة القرابة

---

[1] یہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے۔ غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے۔ ۱۲

[2] ذورحم وہ قریبی ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ سے ہوگی۔ پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا۔ ۱۲

فلقرابة الاب ضعف قرابة الام." حضرت شامی نے اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اس بناء پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیا جانا بتایا ہے۔ ردالمختار میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے "وھو ظاهر اطلاق المتون والشروح حيث قالوا وعند اختلاف جهة القرابة فلقرابة الاب ضعف قرابة الام فلم يفرقوا بين ولدالعصبة وغيره"

اقول: یہ جملہ ان دو قاعدۂ[3] ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے۔ وگرنہ اختلاف کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالا جماع باطل ہے۔ وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف واتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق کے معارض ہے۔

رابعاً: مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کر کے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں۔ واذا

[1] استوى وارثان ...... فى درجة واحدة فاولنهم من اولىٰ بوارث واقربهم اولىٰ من ابعد هم."

خامساً: اسی طرح متن تنویرالابصار میں تمام اقسام ذکر کر کے فرمایا واذا استووا فى درجة قدم ولد الوارث واذا اختلفت الفروع والاصول اعتبر محمد فى ذالک الاصول وقسم عليهم اثلاثا ،الخ اس نے بھی صاف کر دیا کہ بعد استواء درجہ تقدمِ ولدوارث کا حکم عام ہے۔ اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری، کنز وتنویر۔ یہاں قوتِ قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی ومنظور افادۂ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (جہت) سے خاص ھكذا ينبغى ان يفهم كلام الكرام۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ "واذا استووا فى درجة" کے بعد درمختار کا "واتحدت الجهة" زائد کرنا قول اوّل کی طرف ان کا میل خلافِ متن ہے۔

سادساً: ہدایہ، وقایہ، نقایہ واصلاح غرران متنوں میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں قدوری، کنز، تنویر کا حال معلوم ہوا۔ سراجیہ ابتدائی

---

[3] یعنی پہلے قرب درجہ سے ترجیح ہوگی پھر اصل کے وارث ہونے سے۔ ۱۲

[1] جب دو قریبی ایک درجہ میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولیٰ ہوگا، اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔

نوٹ: قدوری کے عام نسخوں بلکہ مطبوعہ مجتبائی میں اس جگہ عبارت غلط ہے۔ ان میں عبارت اس طرح ہے واذااستوى ولداب فى درجة صحیح عبارت وہی ہے جو نقل کی گئی جوہرہ نیرہ شرح قدوری مطبوعہ مجتبائی میں اسی طرح ہے۔ ۱۲

کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں۔ اس کا مرتبہ فتویٰ غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاویٰ ہیں کما بیّناہ فی فتاوانا متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ نے حفظ مذہب کے لئے لکھے جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری۔ سراجیہ میں بکثرت روایاتِ نادرہ بلکہ محض اقوال مشائخ ا جب دو قریبی ایک درجہ میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولیٰ ہوگا، اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔

نوٹ: قدوری کے عام نسخوں بلکہ مطبوعہ مجتبائی میں اس جگہ عبارت غلط ہے۔ ان میں عبارت اس طرح ہے واذا استوی ولداب فی درجة الخ صحیح عبارت وہی ہے جو نقل کی گئی جوہرہ نیرہ شرح قدوری مطبوعہ مجتبائی میں اسی طرح ہے۔ ۱۲

کے ذکر تک تنزل ہے لاجرم علامہ سیّد شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔ ان[1] المصنف لما خرج من فرغانة الیٰ بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحا لھا ''تو نہ رہی مگر ایک ملتقی اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے ''حیث قال یرجحون بقرب الدرجه ثم بقوة القرابة ثم بکون الاصل وارثاً عند اتحاد الجھة'' تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی پر ہی ہیں۔

سابعاً: شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا۔ اور شروح کنز نے مسئلہ متن مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہوگیا وللّٰہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی، فتاویٰ امام تمرتاشی ومجمع الفتاویٰ وفتاویٰ خلاصہ میں ظاہر الروایۃ ومذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر وتاتارخانیہ میں اسی مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے علیہ الفتویٰ، جامع المضمرات میں ہے ھو الصحیح، معراج الدرایۃ میں ہے ھو الاولیٰ بالاخذ، علامہ محقق خیر الدین رملی نے اس پر فتویٰ دیا۔

اجمعنا انه لو کان احدھما ولد عصبة اوصاحب فرض کان اولیٰ من الآخر انتھی (ای یقدم علیٰ من لیس بعصبة ولا صاحب فرض)

[1] مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے وہاں دو ورق میں ''فرائض'' قاضی علاء الدین سمرقندی پائے۔ مصنف نے انہیں پسند کیا اور ان کی شرح کے طور پر سراجی لکھنا شروع کی۔ (باب ذوی الارحام شریفیہ شرح سراجی ص ۱۰۹ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۹۰۵ء)

اور پھر مبسوط امام سرخسی اُس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انہوں نے تمام کتب ظاہر الروایۃ کو جمع فرمایا ہے۔اس میں انہوں نے صرف ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اوّل کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے۔ ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے۔

"ان ا ۔ کان احدھما ولد عصبة اوولد صاحب فرض فعند اتحاد الجهة يقدم ولد العصبة وصاحب الفرض وعند اختلاف الجهة لايقع الترجيح بهذا بل تعتبر المساواة فى الاتصال بالميت وبيانه فيماابنة عم لابِ وامٍ والابِ وابنة عمة فالمال كله لابنة العم لانها ولد عصبة ولوترک ابنة عم وابنة خال او خالة فلابنة العم الثلثان ولا بنة الخال اوالخالة الثلث لان الجهة مختلفة ههنا ولا يترجح احدهما بكونه ولد عصبة وهذا فى رواية ابى عمران عن ابى يوسف فاما فى ظاهر المذهب ولد العصبة اولٰى سواء اختلفت الجهة اواتحدت لان ولد العصبةاقرب اتصالا بوارث الميت فكانه اقرب اتصالابالميت.

فان قيل فعلیٰ هذاينبغى ان العمة تكون احق بجميع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهواب

لے اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو تقدیم حاصل ہوگی۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوی معتبر ہوں گے مثلاً ایک شخص سگے چچا یا علاتی چچا (باپ کے پدری بھائی) کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا۔ تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے اور اگر ایک چچا کی بیٹی اور ایک ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ گیا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے۔ دونوں میں سے ایک کو ولد عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔ یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ابو عمران کی روایت ہے لیکن ظاہر مذہب میں ولدِ عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد کیونکہ ولدِ عصبہ کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔

سوال:......اس بنا پر چاہیے کہ پھوپھی خالہ کی نسبت تمام مال کی زیادہ حق دار ہو کیونکہ پھوپھی دادا ایسے عصبہ کی اولاد ہے جب کہ خالہ نہ عصبہ کی اولاد ہے نہ صاحب فرض کی کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔

جواب:......اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ ذات فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا ماں کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اور پھوپھی کا تعلق اس وارث کے ذریعے ہے جو باپ (دادا) لہٰذا باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (دو حصے پھوپھی کے لئے ایک حصہ خالہ کے لئے) ۱۲

ے یہاں تک عبارت فتاویٰ عالمگیری جلد رابع ص۵۸۲ المعروف بہ ہندیہ میں منقول ہے۔ ۱۲

الاب والخالة ليست ولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام قلنا لاكذالك فان الخالة ولد ام الام وهي صاحبة فرض فمن هذالجهة يتحقق المساواة بينهما فی الاتصال بوارثِ المیت الاان اتصال الخالة بوارث هوامّ فتستحق فريضة الام واتصال العمة بوارث هواب فتستحق نصيب الاب فلهذا كان المال بينها اثلاثا.

بعینہ یہی مضمون تمام تکملۂ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک ہے اس میں امام سہیل نے دلیل قول

ع اقول: مساوات کے ہووے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سگی پھوپھی دو جہتوں سے وارث (دادا ورادی) کی اولاد ہے۔ یہ بات خالہ میں نہیں ہوسکتی (کیونکہ وہ صرف ایک وارث نانی کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قوت قرابت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمام ارباب فرائض نے تصریح کی۔ میں نے تکملۂ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اقول: یہ جواب اس وقت نہیں بن سکتا جب خالہ ماں کے والد کی طرف سے بہن ہو کیونکہ وہ قطعا وارث کی اولاد نہیں (لہٰذا پھوپھی کے مقابل یہ خالہ محروم ہونی چاہیے) سوال:...... یہ خالہ اس خالہ سے اقویٰ ہے جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی دو خالائیں چھوڑ کر فوت ہوجائے تو تمام مال پہلی کو ملے گا۔ اور دوسری محروم ہوگی، پھوپھی دوسری خالہ کو محروم نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ولد وارث ہونے میں شریک ہے۔ پھوپھی اضعف کو محروم نہیں کرسکتی تو ضروری ہے کہ اقویٰ (پہلی خالہ) کو بھی محروم نہ کرے۔

جواب:...... پہلی خالہ کی قوت، قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے منسوب ہونا ماں کے توسط سے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے ولد وارث ہونے والی قوت معارض کے بغیر باقی رہے گی اور لازم آئے گا کہ پھوپھی خالہ کو محروم کردے حالانکہ یہ غلط ہے معلوم ہوا کہ جہات مختلفہ میں ولدیت وارث بھی معتبر نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا، پھوپھی چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور اہل تنزیل نے کہا چچا بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہ بھی کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت کے نزدیک اجتماع کے وقت پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ پھوپھی کو باپ کی طرح قرار دیا جائے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ سے ہے اور خالہ کو ماں کی طرح کہ اس کی قرابت ماں سے ہے۔ ہمارے علماء کے قول (کہ خالہ ماں کی طرح ہے)

کی وجہ یہ ہے کہ قاعدے کی رو سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کا ہم مرتبہ مرد چچا وارث ہے لہٰذا اسے چچا کے قائم مقام کیا جائے گا اور خالہ کو اس کے ہم مرتبہ مرد ماموں کے قائم مقام کیا جائے تو پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا۔ لہٰذا اس طریقے سے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی مال ملے گا۔ جیسا کہ ماں اور چچا وارث ہوتے (مختصراً) جب معاملہ اس طرح ہے تو پھوپھی کو ولدیت عصبہ کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اسے ولدیت کی بجائے عصبہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اول کے جواب کا بھی افادہ فرمایا:

اقول ۲ ۔ ولا یقدع مع تحقق المساواۃان العمۃ اذا کانت لاب وام

کانت ولد الوارث من کلا الجھتین ویستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولا نظر الیھا عنداختلاف الحیز کما صرحوابہ قاطبۃً نعم رایتنی کتبت علیٰ ھامش تکملۃ المجر مانصہ۔

اقول لایتمشیٰ اذا کانت الخالۃ اخت الام لاب فانھالاحظ لھا من ولدیۃ وارث اصلا: لایقال انھا اقویٰ من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ لاب واخویٰ لام احرزت الاولٰی جمیع المال ولا شی للاخریٰ والخالۃ لام لایحجبھا العمۃ لاستوائھا معھا فی ولدیۃ الوارث فاذا لم تحجب الاضعف وجب ان لاتحجب الاقویٰ لانی اقول انما قوتھا قوۃ قرابتھا فان لانتماء بالاب اقویٰ من الانتماء بالام وھذہ قوۃ لانظر الیھا عنداختلاف الجھۃ فتبقی ولدیۃ العمۃ للوارث قوۃً بلا معارض فیلزم ان تحجب الخالۃ لاب وھو باطل فعلم ان ولدیۃ الوارث ایضا لاتلاحظ فی الجھات المختلفۃ.

اقول وباللّٰہ التوفیق توریث الخالۃ مع العمۃ اثلاثًا عندالفقھاء رحمھم اللّٰہ تعالٰی لاقامۃ العمۃ مقام العم والخالۃ مکان الأم قال شمس الائمۃ اعلم بان العمۃ بمنزلۃ ألعم والخالۃ بمنزلۃ الام وقال اھل التنزیل العم بمنزلۃ الاب والخالۃ بمنزلۃ الام ووجہ قولھم ان الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ

پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ خالہ کو ماں کی جگہ رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ اقامۃ کی وجہ سے قرب درجہ ایسا قوی سبب بھی محروم نہیں کرسکتا۔ مثلاً ایک شخص ایک لڑکی اور چند پوتیاں چھوڑ گیا۔ (نصف مال لڑکی کو) اور چھٹا حصہ پوتیوں کو ملے گا تا کہ دوثلث پورے ہوجائیں۔ کیونکہ انہیں لڑکی کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔لڑکی کے درجے سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص دولڑکیاں ایک پوتی ایک پوتے کی لڑکی اور ایک پوتے کا لڑکا چھوڑ گیا۔پوتی اور پوتے کی لڑکی کو مرد کے درجے میں رکھا جائے گا تا کہ اس کے ذریعے عصبہ بن جائیں۔یہ وجہ ہے کہ خالہ (ماں کی سوتیلی بہن باپ کی طرف سے) پھوپھی کے ساتھ وارث بنتی ہے۔

ثم اقول۔قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہوگا۔اولاد کا یہ حکم نہیں ہے چنانچہ خالہ کی اولاد، ماں کی اولاد کی طرح نہیں ہوگی۔دیکھئے خالہ کی اولاد میں مرد اور عورتیں برابر نہیں بلکہ مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا (جب کہ اولاد ام میں مذکر ومؤنث برابر ہوتے ہیں) اس کی مثال ولدیت عصبہ ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل نہ ہوگی جیسے کہ ردالمحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے ہے۔ بنابریں چچا کی لڑکی کا لڑکا پھوپھی، ماموں یا خالہ کے بیٹے کی بیٹی سے مقدم نہ ہوگا۔ ۱۲

عنهم اجتمعوا على ان للعمة الثلثين وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولا وجه لذالک الابان یجعل العمة کالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب والخالة کالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام وجدقول علمائنا ان الاصل ان الانثی متیٰ اقیمت مقام ذکر فانها تقوم مقام ذکر فی درجتها .

والذکر الذی فی درجتها هو العم وهو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم والخالة لو اقیمت مقام ذکر فی درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمنا ها مقام الام فالعمة ترث الثلثین والخالة الثلث بهذا الطریق بمنزلة مالوترک أماً وعما (مختصراً) فاذا کان الامر علی هذا سقط تقدم العمة لولدیة العصبة فانها قدا قیمت مقام العصبة فضلاً علیٰ الولدیة ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لاتحجب بالعم فی هذه الحالات کلهن سواء. قدرأینا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هواقویٰ اسبابه وهو قرب درجة الاتریٰ ان من خلف بنتاً وبنات ابن فلهن السدس تکملة للثلثین لاقامتهنّ مقام البنت لایحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وکذالک اذا مات عن بنتین وبنت ابنٍ وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لانهما اقیمتا فی درجة الذکر تنعصب به فهذا هو السرفی وراثة الخالة لاب مع العمات واللّٰه تعالیٰ اعلم ثم اقول لایذهبن عنک ان هذه الاقامة تقتصرعلی الذوات ولا تتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لایجعلون کاولاد الام الاتریٰ ان ذکورهم لایساوون اناثهم بل للذکر مثل حظ الانثیین وهذا کولدیة العصبة لاتسری من الولدالی ولد الولد کمافی ردالمختار وغیره عن سکب الانهروغیره فابن بنت العم لایقدم علیٰ بنت ابن العمة اوالخال اولخالة فاحفظ.

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اوراسی کو اکثر نے ظاہر روایت اور مذہب فرمایااورتصریحات صریحہ صرف اس کے لئے ہیں۔ خصوصاً اکثر تصحیحات علیہ الفتویٰ تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب، درمختار وتصحیح علامہ قاسم میں ہے اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ثانیہ: جب کہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتیٰ بہ میں ولدیتِ وارث معتبر ہے۔ آیا قوتِ قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاقِ روایت بتایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوتِ قرابت ولدیتِ وارث سے اقویٰ ہے۔ جب یہ معتبر ہے تو اُس کا اعتبار بدرجہ اولیٰ ہے۔ عبارتِ عقود وسائلِ فاضل کے پیش نظر

ہے۔فقیر نے اپنے نسخہ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا۔

قولہ یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا وانها اقوىٰ اقول قداجمعوا فی الروایات الظاهرۃ ان لانظر بقوۃ القرابۃ عند اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولا الخالۃ العینیۃ علی العمۃ لام. وکون قوۃ القرابۃ اقوىٰ من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لایوجب اعتبار ها عند اختلاف الحیز وهی ساقطۃ الاعتبار فیه فجریان الاضعف فی محل لکونه محل جریانه لایستلزم جریان الاقوىٰ فیه مع انعدام المحلیۃ له.

والحق ان لامعنی لقوۃ القرابۃ فی حیز الاکون قریب ذاجهتین کالعینی اوذاجهۃ اقوىٰ کالعلاتی مع الاخیافی وظاهران اجتماع الجهتین فی حیز لایلغی الحیزا لآخرواذا کان نفس احدا لحیز ین اعنی الابوی اقوی من الآخراعنی الام ثم لم تورث قوته الغاء الحیز الآخرفکیف تورث قوۃ جهته الغاء الآخروتعلیل قوۃ القرابۃ انما هو فی الحیزا لواحد لاتقدیم ذی حیز علىٰ ذی حیزآخر لقوۃ قرابۃ فی حیزہ والایقدم الحیزالابوی مطلقا علی الامی مطلقاوایضالو نظرالی قوۃ القرابۃ لعاد نقضا علی المقصود فان الاقوىٰ غیر معتبر عند اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاهرۃ فکیف تعتبرون فیه الاضعف ویؤول الامرالی الغاء کلاالترجیحین وهو خلاف ماقررتم انه صحیح مفی به وانما الجواب ماقدمت ان الاقوىٰ لم یعتبر لعدم المحل فلایلغی الآخر مع حصول المحلیۃ وذالک لان ولدیۃ العصبۃ تسقیٰ من العصوبۃ تقضی علىٰ غیرها مطلقا وان کان من غیر حیزها کالعم یحجب الخال فکذا ولدیۃ العصبۃ وبهذا تنحل الشبهتان معا اعنی وجوب اعتبارالاقوی کما ذهب الیه العلامۃ الشامی ووجوب اسقاط الاضعف بسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام والله تعالىٰ اعلم.

اس حاشیہ نے بحمدہ تعالیٰ کشف شُبہ کردیا۔اس وقت مبسوط شمس الائمہ سرخسی فقیر کے پاس نہ تھی۔اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایتِ سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے۔بحثِ علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللّٰہ الحمد۔

مبسوط کا نص ملخص یہ ہے:

فی ظاہر المذہب ولد العصبۃ اولٰی سواء اختلفت الجہۃ اواتّحد ت (الی ان قال) فان کان قوم من ھٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال اوالخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام اوالعمات لام .

فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء کان من کل جانب ذوقرابتین اومن احدالجانبین ذوقرابۃ واحدۃ. ثم ماصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جہۃ ذی القرابتین علٰی ذی قرابۃ واحدۃ.[1]

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنفِ رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے۔

یقدم[2] الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیز فولدالوارث وان اتفق فالاقوٰی قرابۃً ثم ولد الوارث

وبعد ھذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ....واللہ تعالٰی ورسولہ اعلم

کتبہ بمحمدن المصطفٰے النّبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہ

---

[1] ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولٰی ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد، اگر ماں کی جانب سے ایک جماعت ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی لڑکیاں، اور ایک جماعت باپ کی طرف سے مثلاً پھوپھیوں یا سوتیلے چچا (باپ کے مادری بھائی) کی لڑکیاں تو مال فریقین میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا (ایک حصہ پہلے فریق کو اور دو حصے دوسرے فریق کو دیئے جائیں گے) خواہ ہر جانب دودو قرابتیں ہوں یا ایک جانب صرف ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کا حصہ ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ ذو قرابتین کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔ ۱۲

ملاحظہ ہو فتاوٰی عالمگیری جلد رابع ص ۴۸۲ مبسوط جلد ۳۰ ص ۲۱

[2] اقرب بہ ہر حال مقدم ہے پھر اگر جہت مختلف ہو تو ولد وارث کو اور اگر متحد ہو تو اقوٰی پھر ولد وارث کو ترجیح ہوگی۔ ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔ ۱۲

امام احمد رضا اور
علمائے ریاست بہاولپور
از
ڈاکٹر مجید اللہ قادری
شعبہ ارضیات جامعہ کراچی

یہ مقالہ چونکہ فقیر کے مقالہ پر سونے پر سہاگہ ہے اسی لئے اسے اپنے مقالہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے تاکہ قارئین کے لئے علمی اضافہ ہو۔

نوٹ: فقیر کا یہ مقالہ از ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کا شائع شدہ ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علی رسولہ الکریم

امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) ابن مولانا علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) ابن علامہ مفتی مولوی محمد رضا علی خاں بریلوی (م ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) نے ۱۴ برس کی عمر سے دین ومسلک کی خدمت کا آغاز کردیا تھا۔ آپ نے اپنے جدامجد کی قائم کردہ ''مسند افتاء'' کو والدگرامی کی حیات ہی میں رونق بخشی (۱)۔ امام اہلسنّت لگ بھگ ۵۵ برس تک مسلسل برصغیر پاک ہند، عالم اسلام اور دیگر ممالک میں مجددانہ اور مجتہدانہ شان وشوکت کے ساتھ فتوے جاری فرماتے رہے۔ الشاہ احمد رضا خان بریلوی نے علوم قدیمہ وجدیدہ کے ہر ہر مسئلے کا آسان، مدلل، مفصل اور محققانہ جواب لکھا۔ فاضل بریلوی نے ۷۰ سے زیادہ علوم وفنون کا احاطہ کرتے ہوئے ہر علم وفن پر سیر حاصل لکھا اور انتہائی پیچیدہ اور مشکل ترین مسائل کے حل بھی پیش کئے۔ (۲)

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی اپنی حیات میں مرجع خلائق رہے چنانچہ علماء، عرفاء، فقراء، فقہاء اور وکلاء سمیت تمام فنون سے تعلق رکھنے والے آپ ہی کے فضل وکمال کے معترف نظر آتے ہیں۔ مولانا بریلوی کے پاس ہندوستان کے ہر

چھوٹے بڑے شہر اور قریہ سے استفتاء آتے تھے، اس کے علاوہ دیگر ممالک خاص کر چین، برما، بھوٹان، نیپال، عراق، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، پرتگال، رنگون، سیلون، بنگلہ دیش، افغانستان اور امریکہ جیسے دور دراز علاقوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے تمام قصبوں سمیت اس کے سرحدی اور پہاڑی علاقوں سے بھی استفتاء بریلی پہنچتے تھے۔ ان استفتاء کی تعداد بعض اوقات ایک وقت میں ۴۰۰ سے بھی تجاوز کر جاتی تھی مگر آپ سب کا جواب حسب سوال عنایت فرماتے (۳) آپ یہ جوابات اردو، فارسی اور عربی نثر کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو نظم میں بھی دیتے تھے جو "فتاویٰ رضویہ" کی ۱۲ ضخیم جلدوں کی زینت ہیں۔ (۴) راقم السطور پاکستان سے تعلق رکھنے والے علماء فضلاء اور مستفتیان پر دو مقالے قلمبند کر چکا ہے۔ پہلا مقالہ بعنوان "امام احمد رضا اور علمائے بھر چونڈی شریف" (۵) قلمبند کیا تھا اور دوسرا مقالہ "امام احمد رضا اور علمائے کراچی" (۶) کے عنوان سے لکھا تھا۔ پھر ان دونوں مقالات کو کتابی صورت میں یکجا کر کے بعنوان "امام احمد رضا اور علمائے سندھ" (۷) بھی شائع کر چکا ہے۔ راقم کا معارف رضا کے لئے "مستفتیان پنجاب اور امام احمد رضا" کے عنوان سے مقالہ لکھنے کا ارادہ تھا لیکن مستفتیان پنجاب کی کثیر تعداد کے پیش نظر اس مقالہ کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا حصہ صرف ریاست بہاولپور کے علماء وفضلا تک محدود ہے باقی حصوں کو بھی ترتیب دے کر "امام احمد رضا اور علمائے پنجاب" کے عنوان سے اس کی تکمیل کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب سے عام لوگوں کے علاوہ علماء، فقہاء، وکلا اور مشائخ کی ایک کثیر تعداد امام احمد رضا کی طرف رجوع کرتی نظر آتی ہے۔ چند اہم نام ملاحظہ فرمائیں۔ ہر نام کے آگے قوسین میں "فتاویٰ رضویہ" کی جلد نمبر اور صفحہ نمبر کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

گجرات / گوجرانوالہ

۱)......پیرزادہ محمد معصوم شاہ گجرات (۱۰/۶۵)

۲)......حافظ شاہ ولی اللہ گھکر گوجرانوالہ (۳ /۳۹۶)

۳)......مولوی نور عالم وزیر آباد گوجرانوالہ (۶/۴۴۴)

لاہور

۱)......مولانا انوار الحق (۵/۷۵)، (۳/۲۲۶)

۲)......مولانا احمد الدین، بیگم شاہی مسجد لاہور (۶/۸۶)، (۷/۹۲)، (۹/۷۰)، (۱۰/۳۱۲)

۳)......مولانا محمد بخش حنفی چشتی لاہور (۱۰۱/۶)

۴)......پروفیسر مولانا حاکم علی نقشبندی لاہور (۲۷۹/۱۰)

۵)......مولانا سید دیدار علی الوری لاہور (۱۲۶/۶)، (۱۵۵/۱۲)

۶)......مولوی عبداللہ ٹونکی لاہور (۳۱۸/۹)، (۴۱۹/۷)، (۳۴۰/۵)

۷)......مولانا عبدالحمید قادری رضوی بزم حنفیہ لاہور (۳۷۸/۹)، (۲۷۸/۱۱)

۸)......مولانا ابوالرشید محمد عبدالعزیز مزنگ لاہور (۳۵۴/۲)

۹)......مولانا شاہ محرم علی چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور (۱۲۸/۱۲)

سیالکوٹ

۱)......ابوالیاس محمد امام الدین کوٹلی لوہاراں (۱۹۲/۱۰)، (۳۷۴/۹)

۲)......ابو یوسف محمد شریف کوٹلی لوہاراں (۳۱۹/۶)

۳)......مولانا محمد قاسم قریشی ڈسکہ سیالکوٹ (۱۱۵/۹)، (۱۵۸/۱۰)

۴)......مولانا محمد قاسم کھوکر مدرس مدرسہ دہانوں تحصیل ڈسکہ سیالکوٹ (۲۲/۱۲)

راولپنڈی ،گوجرخاں ، گولڑہ

۱)......میر غلام دیوی گوجرخاں پنڈی (۵۴۰/۷)

۲)......مولانا محمد حیٰ گوجرخاں پنڈی (۶۹/۵)

۳)......مولوی غلام محی الدین اٹک پنڈی گھیپ (۸۸/۵)

۴)......پیر حمید اللہ المعروف نعمان ملا گولڑا پنڈی (۶۶/۳)

۵)......مولوی قاری عبدالرحمٰن گولڑا پنڈی (۳۲/۱۰)، (۴۸۹/۷)

۶)......مولوی تاج الدین گوجرخاں پنڈی (۱۱/۶)، (۶۹/۹)

۷)......مولوی تاج محمود گوجرخاں (۳۱/۲)، (۵۴۲/۷)، (۱۵/۸)

ڈیرہ غازی خاں

۱)......مولانا امام بخش فریدی ڈیرہ غازی خاں (۱۳۳/۱۰)

۲)......مولوی احمد بخش ڈیرہ غازی خاں (۳۹۱/۳)، (۸۹/۹)

جھلم سرگودھا

۱)......فضل حق چشتی بھیرہ شاہ پور (۶۰۸/۳)، (۲۲۵/۴)

۲)......سید مجید الحسن جہلم موضع غازی نارہ (۴/۴)

اٹک ڈیرہ اسمٰعیل خاں، هری پور هزاره

۱)......مولوی عبداللہ خاں وزیرستان ڈیرہ اسمٰعیل خاں (۳۶۲/۳)

۲)......قاضی غلام ربانی (۱۷۵/۶)

۳)......قاضی غلام گیلانی کیمبل پور ضلع اٹک (۲۱/۴)، (۱۲۴/۵)، (۴۱۶/۶)، (۵۲۳/۷)

۴)......مولوی شیر محمد ہری پور کوٹ نجیب (۳۸۴/۲)، (۳۳/۴)، (۱۸۰/۴)

ریاست بھاولپور

۱)......مولانا محمد دین جج چیف کورٹ بہاولپور (۲۱۲/۱۱۔۲۷۷)

۲)......مولوی سراج الحق جج بہاولپور کورٹ (۳۰۳/۷)

۳)......سراج الفقہا مفتی سراج احمد خانپور (۳۸۵/۹)

۴)......مولانا محمد غوث بخش خانپور (۱۱۰/۸)

۵)......مولانا نور احمد فریدی بہاولپور (۱۷/۸)، (۱۳۲/۶)، (۸۵/۸)

۶)......مولوی محمد یار چاچڑاں شریف بہاولپور (۵۶۹/۷)

۷)......پیر نور محمد ولد پیر قمر الدین صادق پور (۴۴۳/۷)

۸)......احمد بخش چشتی بہاولپور جچہ شریف (۱۱۰/۸)

۹)......مولوی عبدالرحیم مدرس ریاست بہاولپور (۱۵۸/۶)، (۱۷۱/۶)

۱۰)......مولانا سید سردار احمد شاہ قادری گڑھی اختیار خاں رحیم یار خاں (۹۹/۵ حصہ سوم)

ریاست بہاولپور ایک قدیم اسلامی ریاست ہے جو دریائے ستلج، پنجند اور سندھ کے بائیں کنارے پر ۳ سو میل تک صحرا میں پھیلا ہوا تھا جس کی بنیاد سندھ کے داؤد پوتا خاندان کے دوسرے حکمراں محمد بہاول خاں نے رکھی تھی اور شہر کی

بنیاد ۱۷۴۸ء میں پڑی تھی جس کو اس نے اپنے ہی نام سے موسوم رکھا۔ یہ خاندان جو مصر کے عباسیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا مگر کسی مورث اعلیٰ عباس نام کی نسبت سے عباسی بھی کہلاتا ہے۔ اس خاندان نے ۱۸۳۸ء میں انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ (۸)

قیام پاکستان کے بعد ۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یہ ریاست پاکستان میں شامل ہوگئی۔ اس ریاست کا جداگانہ وجود ۱۹۵۵ء میں مکمل طور پر ختم کردیا گیا اور ریاست مغربی پاکستان میں مدغم کردی گئی۔ بہاولپور کمشنری میں ۱۹۵۱ء تک بہاولپور اور رحیم یار خاں اضلاع شامل تھے۔ اور ۱۹۵۳ء میں بہاولنگر ضلع کو بھی اس کمشنری میں شامل کرلیا گیا۔ (۹)

ریاست بہاولپور پنجاب کے دیگر علاقوں کی طرح اولیاء اللہ کا مسکن رہی ہے۔ یہاں قدیم ترین اولیاء اللہ چوتھی صدی ہجری کے ملتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے قدیم صوفیائے کرام بھی موجود ہوں۔ اس علاقے میں آنے والے اولیاء اللہ میں حضرت صفی الدین گازرونی حقانی (م ۳۹۸/ ۱۰۰۷ء) کو شرف اولیت حاصل ہے۔ آپ کا مزار اوچ شریف میں مرجع خلائق ہے۔ (۱۰) اس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں اولیاء کرام مشائخ عظام اس خطے میں آرام فرمارہے ہیں۔ یہاں کی مشہور خانقاہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ (م ۷۸۵ھ) کی ہے۔ (۱۱)

ریاست بہاولپور میں امام احمد رضا بریلوی کے ہم عصر کئی علماء وفضلاء موجود تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقام ومرتبہ اور فضیلت عطا کی تھی اس کے باعث بڑے بڑے فقہاء قاضی اور وکلاء حضرات امام احمد رضا ہی کی طرف رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔ ریاست بہاولپور جو اسلامی مزاج کی ریاست تھی یہاں کے علماء وفضلاء اور جج صاحبان بھی جب کسی شرعی مسئلے کا حل معلوم کرنے میں قاصر رہتے یا پیچیدگی پاتے تو بریلی شریف کی ''مسند افتاء'' کی طرف ہی استفسار کرتے۔ ریاست بہاولپور سے اگرچہ کئی استفتاء بریلی بھیجے گئے مگر ان تمام استفتاء میں چند بہت ہی اہم اور پیچیدہ مسائل میں اعلیٰ حضرت سے رجوع کیا گیا اور آپ نے تمام استفتاء کے معرکۃ الآراء جواب دیئے جس پر علماء وفضلاء ششدر رہ گئے مثلاً مولوی محمد دین جج چیف کورٹ بہاولپور، سراج الفقہاء مفتی سراج احمد خانپوری وغیرہ۔

مولوی محمد دین جج

ریاست بہاولپور کے کورٹ میں ایک وراثت کے سلسلہ کا مسئلہ ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۱ء میں پیش کیا گیا مگر اس مسئلے کو کورٹ میں طے نہیں کیا جاسکا۔ کورٹ کے چیف جج مولوی محمد دین نے ریاست بہاولپور کے مفتیوں کے ساتھ ساتھ لاہور کے کچھ مفتیانِ کرام سے بھی اس سلسلے میں استفسار کیا مگر مسئلہ مزید الجھ گیا اس سے قبل سیشن کورٹ کے جج جی خانپور

(۲) بھی اپنا فیصلہ دے چکے تھے مگر وہ بھی مطمئن نہ تھے چنانچہ انہوں نے بھی ایک استفتاء بنایا تھا۔ مولوی محمد دین نے اس پیچیدہ مسئلے کے حل کے لئے بریلی کے دارالافتاء کا دروازہ کھٹکھٹایا اوران کی طرف ایک استفتاء تیار کر کے بریلی شریف بھیجا۔ ساتھ میں آٹھوں مفتیوں کے جوابات معہ جج خانپور کے استفتاء اور چیف کورٹ کا فیصلہ اعلیٰ حضرت کو بھیج دیا گیا یہ استفتاء فتاویٰ رضویہ کی ۱۱ویں جلد میں موجود ہے۔ یہاں چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

مسئلہ : از کچہری چیف کورٹ، ریاست بہاولپور مرسلہ محمد دین صاحب جج ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

آج یہ مسل پیش ہوئے، فتاوائے مصدرہ میں جو سوال زیر بحث اکثر طے ہو چکے ہیں اُن کے اس حکم درمیانی میں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذیل میں ان سوالات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ابھی تک اطمینان کی ضرورت ہے...... الخ۔ نقول فتاویٰ علمائے منسلکہ مسل معہ نقل استفتاء ونقل ''وصیت نامہ'' خدمت میں مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہووے اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاویٰ کو ملاحظہ فرمائیں اوران سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے معہ استناد جواب تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمادیں۔ مبلغ (۵ روپے) بذریعہ منی آرڈر مولوی صاحب کی خدمت میں بھجوادیئے جائیں اور یہ بھی التماس ہو کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتویٰ معلوم ہو تو اطلاع بخشیں، ملاحظہ فتاویٰ سے اختلاف علماء کے تمام جزئیات اور صورتیں واضح ہوں گی ہر ایک فتویٰ پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیئے گئے ہیں، مقدمہ چونکہ عرصہ سے دائر ہے اس لئے نتیجے کے بھجوانے کے لئے استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلدی عدالت ہذا میں بھجوادیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۲۱۳، ۲۳۱: مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

وراثت سے متعلق مختصراً مسئلہ یہ تھا کہ مسمی واحد بخش نے اپنی جائداد سے متعلق انتقال سے چند یوم قبل ایک وصیت لکھوائی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو جائداد میں سے کچھ زیورات دے دیئے جائیں اور بقیہ تمام جائداد مکان سمیت اپنے ایک خادم کے نام کردی جبکہ بیوی کے علاوہ اور کوئی وراثت میں دعویدار بھی نہیں ہے۔ مگر بیوی نے بقیہ جائداد میں بھی دعویٰ دائر کیا ہے اور خادم نے واحد بخش کی بیوی پر سنگین الزامات لگائے ہوئے ہیں۔

مولوی محمد دین کی طرف سے بھیجے گئے استفتاء کے ساتھ جو آٹھ فتاویٰ اور وصیت نامہ بھیجا گیا تھا وہ فتاویٰ رضویہ کی گیارہویں جلد کے صفحہ ۲۱۴ تا ۲۳۱ پر موجود ہے اس کے بعد فقیہہ اعظم امام احمد رضا کا جواب ص ۲۳۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۷۷ پر ختم ہوتا ہے۔ یعنی استفتاء اور فتویٰ مجموعی طور پر جہازی سائز کے ۶۵ صفحات پر مشتمل ہے امام احمد رضا نے استفتاء کے جواب سے قبل چند باتیں تمہیداً تحریر فرمائی تھیں ملاحظہ کیجئے:

الجواب: الحمد للہ رب العلمین وبہ ثمہ برسولہ نستعین صلی اللہ تعالیٰ وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

"الحمد للہ یہاں فتویٰ پر فیس نہیں لی جاتی، ان اجری الا علیٰ رب العلمین ۔منی آرڈر واپس کردیا ہے۔ سوالات اوران کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے۔ مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجب نہ تھا۔ایک فتوے میں جو دوسرے کاذکر تھا وہ لکھ کر محو کردیا گیا یا بیاض چھوڑی ہے۔ یہاں اس سے کوئی بحث نہیں بعونہ عزوجل تحقیق حق سے کام ہے مگر اتنی گزارش مناسب ہے۔بحمدہ تعالیٰ یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے کیا ہمارے رب عزوجل نے نہ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ

(پارہ ۵، سورۃ النساء، ایت ۱۳۵)

"اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا۔"

نہ کسی مخالف سے ضد اور نہ نفسانیت۔کیا ہمارے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے نہ فرمایا:

وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پارہ ۶، سورۃ المآئدۃ، ایت ۸)

"اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو،انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔"

مولا سبحانہ تعالیٰ کی عنایت پھر مصطفےٰ ﷺ کی اعانت سے امید واثق ہے کہ یخافون لومتہ لائم سے بہرہ وافی عطا فرمایا ہے۔وللہ الحمد۔

اسی بنا پر بہت افسوس کے ساتھ گزارش کہ آٹھوں فتوؤں میں اصلاً ایک بھی صحیح نہیں اکثر سراپا غلط ہیں۔اب ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ اولاً کچھ مسائل کا افادہ کریں اور ہر افادہ پر جو فوائد متفرع ہوئے اس کے ساتھ لکھیں جس سے وضوح احکام کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو کہ ان مفتیوں نے کہاں کہاں کیا کیا غلطیاں کیں اوران کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں ان کی نظر سے رہ گئیں۔مفتی صاحبوں نے انصاف فرمایا تو یہ امر باعث ناراضی نہ ہوگا بلکہ وجہ شکر کے مقصود بیان حق واظہار احکام ہے نہ کہ کسی کے طعن والزام اور یہ امر قدیم سے معمول علمائے اسلام۔

ثانیاً پانچوں سوالات حال کے جواب دیں۔

ثالثاً ساتوں سوالات سابق کے جواب لکھیں جوان مفتیوں سے کئے گئے اور جواب غلط وناقص ہے۔یہ اس لئے کہ

محکمہ قضاء جن امور کی نسبت تحریر فرمادیا ہے کہ وہ فتاویٰ مصدرہ میں جو سوال زیر بحث آکر طے ہوچکے ہیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں، ان میں بھی اظہار ہو کہ قابل اطمینان بات صاف نہ ہوئی تھی۔ اس کا حق ہمیں خود ہی تھا اور اس تحریر دارالقضاء کے بعد بدرجہ اولیٰ کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتویٰ معلوم ہو تو اطلاع بخشیں۔

رابعاً حکم اخیر لکھیں کہ اس مقدمہ میں دارالقضاء کو کیا کرنا چاہیے۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ منیب۔** (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۳۱۔۲۳۲)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے **''الافادات والتفریعات''** کے عنوان کے تحت ۱۱۲ افادات اور ۱۲۴ تفریعات تفصیل سے بیان فرمائیں پھر ان افادات اور تفریعات کے اندر جو مزید فائدے آئے ان کو بھی بیان فرمایا اور ان افادات اور تفریعات کا اختتام ان کلمات پر کیا۔

''الحمدللہ تحقیق اپنے ذروہ علیا کو پہنچی اور تمام مسائل متعلقہ کا انکشاف منتہی، کو اب بتوفیق تعالیٰ جواب سوالات کی طرف توجہ کریں اور صرف بیان حکم پر قناعت، اکثر حکم کی دلیل وسند افادات میں واضح ہوچکی ہیں۔ **وللّٰہ الحمد۔** (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱۔ص ۲۷۳)

امام احمد رضا نے اس کے بعد جج خانپور ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کے استفتاء کے پانچوں سوالات کے جوابات دیئے اور آخر میں جج محمد دین کے ساتوں سوالات کے جوابات اور سب سے آخر میں **''حکم اخیر''** میں دارالقضاء کے لئے فیصلہ لکھ کر بھیجا اس طرح یہ طویل فتویٰ ۶۵ صفحات کے بعد اختتام کو پہنچا۔ اس طرح علم میراث کے سلسلے کا یہ پیچیدہ مسئلہ جس کو چیف کورٹ، ڈسٹرکٹ جج اور آٹھ مفتیان بہاولپور اور لاہور حل نہ کرسکے اس کو اس زمانے کے علم میراث کے سب سے بڑے عالم امام الفقہاء امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے حل کردیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ چیف کورٹ بہاولپور نے اپنی عدالت عالیہ میں جب اعلیٰ حضرت کا تفصیلی جواب یا فیصلہ پڑھ کر سنایا ہوگا تو سب ہی متاثر ہوئے ہوں گے۔ جج صاحبان بھی مطمئن ہوئے ہوں گے اور ممکن ہے اس فیصلے پر اظہار خیال بھی کیا ہو اگر بہاولپور کورٹ کے کتب خانے میں ۱۳۳۱ھ کے سال کی فائلوں کو تلاش کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ اس فیصلے کی فائل بھی موجود ہو جو وراثت کے سلسلے میں عدلیہ کے لئے ایک نظیر ہوگی اور اس سے وکلاء اور جج صاحبان آج بھی افادہ کرسکیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ فیصلہ ان مفتیان کرام کی نظر سے بھی گزرا ہو۔ جس کو سن کر یا پڑھ کر مفتیان کرام حضرت فقیہ اعظم کی فقاہت اور منصب افتاء کے بادشاہ کی علمی وجاہت وجلالت سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔

مولوی سراج الدین جج بہاولپور کورٹ

میر سراج الدین (۳) ریاست بہاولپور کورٹ کے چیف جج رہ چکے ہیں۔آپ مظفر نگر یوپی انڈیا کے رہنے والے تھے۔لیکن ملازمت کے ساتھ ساتھ اس اسلامی ریاست ہی کو وطن بنالیا۔اسلام کی سربلندی کے لئے مصروف عمل رہے۔ اپنے گھر پر درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ درس قرآن وحدیث کا بھی اہتمام کیا۔آپ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھتے اور اکل حلال پر بھی بہت زور دیتے۔ جناب محمد حسن خاں میرانی نے آپ کے وصال پر ایک قطعہ کہا تھا۔

حقیقت میں تھے دین کے جو سراج
اٹھے بزم ہستی سے وہ آج آہ
لکھوا ان کی تاریخ رحلت حسن
خلیق جہاں و عدالت پناہ (۱۲)
۱۳۴۸ھ

مولوی سراج الدین جج ریاست بہاولپور کورٹ کا بھی ایک استفتاء فتاویٰ رضویہ کی جلد ہفتم میں ملتا ہے۔یہ استفتاء امام احمد رضا خاں بریلوی سے نکاح کے اثبات میں غیر مسلم کی شہادت سے متعلق ہے۔استفتاء ملاحظہ کیجئے:

مسئلہ : مسئولہ سراج الدین جج بہاولپور (پنجاب) ۱۵ شعبان المکرّم شنبہ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔بعالی خدمت حضرت مولانا جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب مدفیوضکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسلمان مرد عورت کے نکاح کے اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے۔..................الخ

(فتاویٰ رضویہ ج ۷ ص ۳۰۴)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کا جواب ملاحظہ ہو:

الجواب: نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے درمختار میں ہے ''شرط حضور شاهدین مسلمین لنکاح مسلمة'' (ج ۲ ص ۳۷۳)

نہ ہی دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے درمختار ہی میں ہے۔

"الشهادته شرطها الولایته فیشرط الاسلام لو المدعی علیه مسلما" (ج۴ص۵۱۳)

اور قاعدہ کلیہ یہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح، طلاق، بیع، ہبہ، اجارہ، وصیت جہاں بھر کے کسی معاملے میں کافر کی شہادت اصلاً کسی طرح مسموع نہیں قال اللہ تعالی

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (پارہ ۵، سورۃ النساء، ایت ۱۴۱)

"اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے۔"

(فتاوی رضویہ جلد ہفتم ص ۳۰۵)

سراج الفقها مفتی سراج احمد خانپوری

مفتی سراج احمد ابن مولانا احمد یار ابن مولانا محمد عالم قصبہ مکھن بیلہ مضافات خانپور ریاست بہاولپور میں ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جامعہ فریدیہ چاچڑاں شریف میں مولانا تاج محمود اور مولانا غلام رسول سے تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث بہاولپور میں مولانا امام بخش سے کیا اور ۱۳۱۷ھ میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ آپ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ {۴} سے بیعت تھے۔ (۱۳) مفتی سراج احمد نے اپنے استفتاء میں جس طرح فقیہ اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو مخاطب کیا اور خطابات سے نوازا ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ بعض مؤرخین کے خیال کے خلاف استفتاء بھیجنے سے قبل ہی امام احمد رضا سے بہت زیادہ متاثر تھے اور اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت اور فقہی عظمت کے بھی قائل تھے ورنہ استفتاء میں صرف مدعا لکھ کر بھیج دیتے اور اس قسم کے تعریفی القاب نہیں لکھتے جیسا کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو "علامۃ الدھر" حل المشکلات اور "صاحب کمال" وغیرہ لکھا ہے۔ مفتی سراج احمد نے یہ استفتاء بتوسط احمد بخش صاحب چشتی سجادہ نشین چچہ شریف ریاست بہاولپور روانہ کیا جب آپ علوم عربیہ میں مدرس تھے۔ یہ استفتاء ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ / ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء میں بریلی روانہ کیا گیا۔ استفتاء کے کلمات ملاحظہ کیجئے:

بخدمت حضرت مولانا صاحب الدھر مولوی احمد رضا خاں سلمہ الرحمٰن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

چونکہ یہ خاکسار اس وقت ایک رسالہ علم میراث کی تصنیف میں لگا ہوا ہے جو نہایت سہل مختصر اور منضبط قواعد پر مشتمل ہو۔ تقلید قواعد قدیمہ کی بالکل ترک کر کے جدید قواعد ایسے ایجاد ہو چکے ہیں جو ایک ہی عمل کے ذریعے سے مناسخہ تک مسئلہ بن جاتا ہے............ چونکہ اولاد ضعف رابع کے قاعدہ تحریمی میں سخت اختلاف ہے لہٰذا حل ہونا اس مشکل کا بغیر

امداد آں حل المشکلات، صاحب کمال کے سخت مشکل ہے اور کوئی دوسرا اہل فن با کمال میری رائے میں موجود نہیں کہ حل کر سکے۔ بس بہر حال دوسرے شغل کو بالفعل بند فرما کر مکمل قاعدہ مفتی بہ بمعہ نقل عبارت فقیہ لکھ کر ارسال فرمائیں تا کہ بعینہ آپ کے فتویٰ کو درج رسالہ کیا جائے.......... جب تک جواب آپ کا نہیں آئے گا میں سخت انتظار میں مضطرب رہوں گا اور رسالہ بھی ناقص رہے گا۔

راقم خادم الشرع سراج احمد از طرف فقیر احمد بخش چشتی (فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۳۸۵)

مفتی سراج احمد صاحب کا یہ استفتاء حسن اتفاق سے بریلی شریف دیر سے پہنچا اور جب انتظار کے باوجود جواب نہیں ملا تو مفتی صاحب نے دوبارہ استفتاء بنا کر بھیجا اور اس دفعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) خلیفہ اعلیٰ حضرت و مصنف بہارِ شریعت کو بھی ایک خط لکھا جس میں ایک دفعہ پھر اعلیٰ حضرت کو خراج عقیدت پیش کیا اور علم فقہ میں علامہ متبحر اور شمع روشن تسلیم کیا آپ کا یہ خط قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجئے:

بخدمت جناب ابو العلاء امجد علی صاحب سلمہ المذہب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:

مسئلہ قاعدہ تحریم ضعف رابع ذوی الارحام مندرجہ لفافہ ہمارے علماء گردونواح کا مختلف فیہ واقعہ ہوا ہے۔ کوئی متون کو ترجیح دیتے ہیں دیوبندیوں کا فتویٰ بھی یہی حتی کہ ''مفید الوارثین'' کتاب میں بالتصریح مذکور ہے اور کوئی فتاویٰ خیریہ کو مقدم سمجھتا ہے۔ جس کی شامی نے بھی تائید کی ہے۔ اب مسئلہ معرکۃ بن گیا۔ ایک اس کا استفتاء مولوی عبد الغفور ہمایونی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) بن مولوی خلیفہ محمد یعقوب ہمایونی (م ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء) کو بھیجا گیا ہے مگر افسوس وہ فوت ہوگئے ہیں باقی دیوبندی علماء غیر مقلد ہیں ان کے فتوے پر اعتبار نہیں آتا۔ آج کل فقہ حنفی کا عالم متبحر بغیر علماء مولوی احمد رضا خاں صاحب کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔ ایک خط پہلے در بارہ استفتاء مذکور مولوی احمد رضا خاں صاحب کے پاس بھیجا گیا سب علماء اس جگہ والے منتظر جواب ہیں اس لئے آج دوسرا استفتاء مذکور کا نقل آپ کی وساطت سے بجناب مولوی صاحب بھیجا جاتا ہے۔ برائے عنایت واعانت دین آپ بنفس نفیس یہ استفتاء مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر کے جواب لکھوا کر واپس فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کو اس تکلیف کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔ مگر جواب صرف ''نعم'' یا ''لا'' میں نہ ہو بلکہ بہ نقول وحوالہ کتب فقہ حنفی متدل و مبرہن لکھوا دیں۔ ایسے اختلاف عظیم کا مٹانا اور حق دریافت کرنا جس میں علامہ شامی جیسا محقق بھی عاجز ہو کر دوسروں کو فیصلہ پر امر بمراجعہ کتب فرمایا ہے کہ بجز مولوی صاحب جیسے

علامہ تبحر کے سوا اور کوئی قادر نہ ہو سکے گا۔ آج مولوی جیسی شمع روشن ہے کل کو خدانخواستہ کوئی شخص اس کو حل نہ کر سکے گا۔ مولوی صاحب کے ذخیرہ کتب موجود ہے امید ہے کہ کسی عالم مصر یا ملک شام کے کسی عالم نے اپنے فتاویٰ میں ذکر اس جزئی کا کیا ہو وہ ضرور نقل فرمائیں فقط۔ (۱۱ اگست ۱۹۱۸ء)

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص ۳۸۵۔۳۸۶)

امام احمد رضا نے اس استفتاء کا تفصیلی جواب معہ حوالہ جات کتب حنفی آٹھ صفحات پر مشتمل قلمبند کیا۔ اس میں مصری عالم سید احمد مصری طحاوی کا حوالہ بھی دیا۔ یہ جواب جلد نہم کے صفحہ ۳۸۶ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۹۲ پر ختم ہوتا ہے۔

مفتی سراج احمد کے دونوں استفتاء سے اعلیٰ حضرت کی ان کے دل میں قدر دانی عیاں ہے۔ ممکن ہے ابتدائی اساتذہ میں اہل دیوبند بھی ہوں اور انہوں نے آپ کو اعلیٰ حضرت کی طرف سے بدظن کر دیا ہو مگر جب اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کو پڑھا تو پھر عقیدت قائم ہوگئی۔ راقم کے خیال میں چیف کورٹ بہاولپور جج محمد دین والے مسئلے میں ممکن ہے آپ بھی ریاست بہاولپور کے مفتیوں میں شامل ہوں اور اعلیٰ حضرت کا جواب جب آپ کے علم میں لایا گیا ہو تو آپ کے دل پر علمی جلالت کا سکہ بیٹھ گیا ہو اور جب خود علم میراث کے مسئلے میں الجھے تو اسی کنویں سے پیاس بجھائی جس کا اس زمانے میں کوئی ثانی نہیں تھا۔

مفتی سراج احمد خانپوری کے علمی روابط امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے وصال (۱۳۴۰ھ) کے بعد بھی بریلی شریف کے مستند مفتیوں سے قائم رہے چنانچہ مفتی سراج احمد نے مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کو ۱۳۵۰ھ میں ایک استفتاء بھیجا تھا جو فتاویٰ امجدیہ جلد دوم کے ص ۱۳۸ پر موجود ہے۔ مفتی سراج احمد کے علاوہ ریاست بہاولپور کے اور بھی کئی مفتیان کرام نے بریلی شریف کی مرکزی "مسند افتاء" سے رجوع کیا جس پر اعلیٰ حضرت کے بعد کئی برس تک مفتی امجد علی اعظمی فتوے جاری فرماتے رہے۔ ان علماء میں مولانا محمد صادق (م ۱۹۶۴ء) معلم جامعہ عباسیہ کا استفتاء فتاویٰ امجدیہ جلد دوم میں ص ۸۳ پر موجود ہے ایک اور استفتاء مولانا محمد حسن شاہ ریاست بہاولپور کا بھی جلد دوم ص ۵۳ پر مرقوم ہے۔

مولانا نور احمد فریدی

ریاست بہاولپور کے معروف عالم دین حضرت مولانا نور احمد موضع پائی آہنہ تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ آپ نے تحصیل علم مولانا الٰہی بخش تلمیذ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی سے کیا اور گھر ہی سے درس و تدریس کا آغاز کیا۔ مولانا نور احمد خواجہ محمد بخش نازک ابن خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف سے بیعت تھے اور خلافت بھی حاصل تھی۔ آپ

کو اپنے دادا مرشد خواجہ غلام فرید سے بہت محبت تھی چنانچہ اپنے گاؤں کا نام بھی فرید آباد رکھ لیا اور خود فریدی یا فرید آبادی سے مشہور ہو گئے۔ (۱۸)

مولانا فریدی مسلک اہلسنّت کے زبردست داعی تھے۔ جب قادیانیوں نے خواجہ غلام فرید کے جعلی خطوط سے اپنے حق میں استدلال پیش کیا تو آپ نے دلائل وشواہد سے حقیقت حال واضح کیا۔ آپ نے اپنے آبائی گاؤں میں ہی انتقال فرمایا اور وہیں تدفین بھی ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق مولانا محمد یار گڑھی اختیار خاں آپ ہی کے خلیفہ تھے۔ (۱۹)

ریاست بہاولپور سے اگرچہ کئی علماء اعلیٰ حضرت کے گرویدہ تھے اور آپ کو اپنے زمانے کا متبحر عالم جانتے تھے مگر مولانا نور احمد فریدی نے تحریراً آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد دین وملت تسلیم کیا اس کا اظہار آپ نے اپنے استفتاء میں بھی کیا۔ جو آپ وقتاً فوقتاً بریلی شریف بھیجتے رہتے تھے۔ آپ کے بھیجے ہوئے استفتاء کا متن ملاحظہ کیجئے:

از: ریاست بہاولپور مقام فرید آباد ڈاکخانہ غوث پور

مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ھوالحق ! شرف ملاحظہ عالیہ عالی جناب حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مدظلہم العالی مجدد مائۃ حاضرہ یا حضرت اقدس دام فیوضکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:

صد آداب نیاز مندانہ بجالا کر عارض ہوں کہ اس جگہ درباره مسئلہ وحدۃ الوجود وسماع علماء میں سخت اختلاف ہے۔ زید کہتا ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود حق ہے اور صحیح ہے............

اور **سماع لاھلہ** شرعاً درست ہے.......... بکر اس کے خلاف ہے اور فتویٰ دیتا ہے کہ مشرب وحدۃ الوجود والے تمام تر کافر ہیں اور سماع بلا تخصیص مطلق حرام ہے اور اس کا مرتکب معاذ اللہ ملعون وکافر ہے............ جواب سرفرازی بخشیں کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون کاذب تا کہ تشویش اور خطرہ ایمانی بین المسلمین نہ آئے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۳۲)

اعلیٰ حضرت نے اس کا قدرے تفصیل سے جواب دیا ملاحظہ کیجئے:

الجواب : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! یہاں تین چیزیں ہیں توحید، وحدت اور اتحاد۔ توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے۔ قرآن عظیم واحادیث وارشادات اکابرین سے ثابت اور اس کے قائلوں کو کافر

کہنا خود شنیع خبیث کلمہ کفر ہے۔رہا اتحاد تو وہ بے شک زندقہ والحاد اور اس کا قائل ضرور کافر............الخ

سماع مجرد کہ جملہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو بلا شبہ اہل کو مباح بلکہ مستحب ہے۔اس پر انکار ۷۰ صدیقوں پر انکار اور معاذ اللہ صدیقین کی تکفیر کرنے والا خود کفر اخبث کا سزاوار ہے۔

اس کی تفصیل فتاویٰ فقیر رسالہ ''اجل التبحر فی حکم سماع لمزا میر'' میں ہے۔ہاں مزامیر شرعاً ناجائز ہیں۔

حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین ﷺ ''فوائد الفواد'' شریف میں فرماتے ہیں ''مزامیر حرام ست'' اور اہل اللہ کسی معصیت الٰہی کے اہل نہیں۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۶ ص ۱۳۲۔۱۳۴)

مولانا نور احمد فریدی کے دو اور استفتاء فتاویٰ رضویہ میں موجود ہیں ایک جلد پنجم کے صفحہ ۸۵ پر اور دوسرا جلد ہشتم کے صفحہ ۱۱۶ پر جو آپ نے ۱۳۳۸ھ میں روانہ کئے تھے۔آخری مسئلہ بھی وراثت سے متعلق ہے اس استفتاء میں مولانا نور احمد فریدی نے اپنے آپ کو سجادہ نشین فریدآباد لکھا ہے۔

مولانا محمد یار فریدی چاچڑاں شریف

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یار ملقب بہ عبد النبی المختار ابن مولانا عبد الکریم گڑھی اختیار خاں ریاست بہاولپور میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی کتب علامہ محمد حیات اور مولانا رحمت اللہ سے پڑھیں بعد میں جامعہ فریدیہ چاچڑاں شریف میں پڑھتے رہے جہاں مولوی تاج محمود سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۹ سال کی عمر شریف میں فارغ التحصیل ہوگئے (۲۰)۔آپ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز کے دست پر بیعت ہوئے اور شیخ طریقت کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک سے دس سال کسب فیض کیا اور پھر آپ کے صاحبزادے یعنی پیرومرشد کے پوتے حضرت خواجہ محمد معین الدین کی خدمت میں رہے اور خلافت سے نوازے گئے اس کے علاوہ مولانا نور احمد فریدی سے بھی خلافت حاصل تھی۔(۲۱)

مولانا محمد یار فریدی عرصہ دراز تک ''جامعہ فریدیہ'' میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر آبائی وطن گڑھی اختیار خاں تشریف لے آئے۔آپ ۱۳۳۳ھ میں حج بیت اللہ شریف اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔آپ کی تقریر انتہائی پر اثر ہوتی مثنوی مولانا روم حفظ تھی۔خود بھی کلام کہتے ''محمد'' اور ''بلبل'' تخلص فرماتے۔آپ کا دیوان ''دیوان محمد'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے (۲۲)۔خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمہ نے اپنے علاقے کے علاوہ لاہور، امرتسر، فیروز پور، بٹیالہ، لدھیانہ کے دور دراز علاقوں تک تبلیغ فرمائی اور ہزاروں کو مرید کیا۔

مولانا محمد یار فریدی نے اپنے دورہ ہندوستان کے دوران بریلی شریف میں امام احمد رضا خاں محدث بریلوی سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کی شیریں بیانی سن رکھی تھی چنانچہ اپنی خانقاہ میں آپ کو تقریر کرنے کا حکم دیا اگرچہ ان دنوں آپ کی طبیعت ناساز تھی مگر اس لمحہ کو سعادت سمجھتے ہوئے اس حکم کی تعمیل فرمائی۔ آپ نے جب منبر رسول ﷺ پر اپنے مخصوص انداز میں تقریر کا خطبہ پڑھنا شروع کیا تو ایک سماں بندھ گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اٹھ کر آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور فرمایا ''سرآمد واعظین پنجاب'' (۲۳)

اسی طرح ایک دفعہ لاہور میں حزب الاحناف کے جلسے میں جب آپ نے مثنوی روم کے اشعار پڑھے تو آپ کی خوش الحانی کو سن کر محفل میں موجود سید احمد اشرف محدث اعظم کچھوچھہ شریف سمیت کئی علماء نے آپ کو زبردست داد دی۔ (۲۴)

حضرت خواجہ محمد یار فریدی علیہ الرحمہ کا ۶۷ سال کی عمر میں ۷ ۱۳۶ھ / ۱۹۴۸ء میں انتقال ہوا۔ لاہور میں ۶ ماہ امانتہً تدفین کے بعد گڑھی اختیار خاں میں سپرد خاک کیا گیا۔ (۲۵)

حضرت خواجہ صاحب کا امام احمد رضا سے قلمی رابطہ بھی قائم رہا اور اس رابطے کی ایک کڑی استفتاء کی صورت میں فتاویٰ رضویہ کی جلد ہفتم میں موجود ہے۔ آپ نے بزبان فارسی ایک استفتاء بریلی شریف روانہ کیا اس وقت آپ چاچڑاں شریف کے مدرسے میں مدرس تھے۔ یہ استفتاء ۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ میں بھیجا گیا جو وراثت کے سلسلہ کا مسئلہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اس کا فارسی ہی زبان میں جواب دیا۔ (۲۶)

مولانا غوث بخش خانپوری اوچی

ریاست بہاولپور تحصیل خانپور کی ایک اور جلیل القدر شخصیت مولانا غوث بخش خانپوری کی ہے مگر افسوس کہ آپ کے حالات تذکروں کی زینت نہ بن سکے۔ تلاش کے بعد چند سطور اختر راہی کے ''تذکرہ علمائے پنجاب'' میں ملیں ملاحظہ کیجئے:

''مولانا غوث بخش بن محمد بخش بن خدا بخش کی ولادت اوچ شریف میں ہوئی۔ آپ کے دادا خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (م ۱۱۴۲ھ) کے مرید تھے جب کہ والد خواجہ فخر الدین دہلوی (م ۱۱۹۹ھ) کے مرید تھے۔ آپ نے فن طب میں مہارت حاصل کی۔ دینیات، طب اور فلسفہ میں بہت شہرت پائی۔ نواب بہاول خاں ثالث ان کے مرتبہ شناس تھے۔ آپ اوچ شریف میں ہی فوت ہوئے اور خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے احاطے میں تدفین ہوئی۔ آپ کی

دو جلدوں پر مشتمل قلمی شاہکار ''تحفہ غوثیہ'' عمدہ تالیف ہے۔(۲۷)

حضرت محمد غوث بخش علیہ الرحمہ نے ہبہ سے متعلق ایک مشکل اور لاینحل مسئلہ میں امام احمد رضا کی طرف رجوع کیا آپ نے ایک استفتاء ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت کو روانہ کیا لیکن وہ نہیں ملا اس لئے کچھ عرصے بعد ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ / ۱۱ مئی ۱۹۱۹ء میں دوبارہ استفتاء روانہ کیا۔ اس استفتاء کے ساتھ ایک دیو بندی عالم کا فتویٰ اور ڈسٹرکٹ جج بہاولپور ججی خانپور کا فیصلہ بھی آپ کو روانہ کیا آپ کا بھیجا ہوا استفتاء فتاویٰ رضویہ کی آٹھویں جلد کے ص ۱۱۳ پر اس طرح درج ہے:

از! ابو المنظور محمد غوث بخش مقیم بیت العلم والحکم پرو چڑان موضع کوٹلہ مدھوڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

بعالی خدمت اسم درجت مدراء سجال العلوم علی العمود حضرت مولانا و مخدومنا قبلہ آماں و آماں خیار عباد اللہ المقال حضرت احمد رضا خاں صاحب مدظلہ:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ:

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سن کر جواب بتوفیق و غور تمام بعجلت عطا فرمائیں۔ ایک استفتاء متعلق ہبہ مشاع و طلاق صبی، بمعہ ٹکٹ کچھ عرصے سے خدمت میں بھیجا تھا، مولانا امجد علی اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء ان کے دوسری نقل ارسال ہے کرم نوازن من۔

عدالت ڈسٹرکٹ ججی خانپور میں دعویٰ عن الہبہ گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے علمائے علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں۔ حضرت اعلیٰ کی خدمت میں فتویٰ میں مع الجواب ارسال ہے، براہ کرم بخشی وحبۃ للہ تعالیٰ بامعان نظر فتویٰ مرسلہ پر دستخط و مہر ہا بشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں۔ بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورتحال از کتاب القضاء مخالفت دعویٰ وغیرہ وغیرہ رجوع عن الہبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں۔ جناب والا ایک نقل دیو بند بھی ارسال کیا گیا تھا مگر مفتی دیو بند (مولوی عزیز الرحمٰن دیو بندی م ۱۳۴۷ھ) نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کر دیا جس پر بڑی حیرت دامن گیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء و مخالفت دعویٰ وغیرہ پر کچھ بھی غور و توجہ نہیں کی۔

مرکز فتاویٰ جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہٖ استفتاء جس پر مفتی دیو بند کا جواب ہے غور فرما کر بجلدی جواب مفصل

بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معتز فرمادیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۱۱۳)

امام احمد رضا نے اس کا تفصیل سے جواب دیا خاص کر دارالعلوم دیوبند کے مفتی مولوی عزیز الرحمٰن ابن مولوی فضل الرحمٰن برادر اکبر مولوی شبیر احمد عثمانی وتلمیذ مولوی محمد قاسم نانوتوی جو ۱۳۱۰ھ سے دارالعلوم دیوبند کے مفتی تھے (۲۸) اور جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ

''حضرت مفتی صاحب کو فن افتاء میں اس قدر مہارت ہوگئی تھی کہ مشکل ترین معاملات پر بھی برجستہ فتویٰ تحریر فرمادیتے آپ کی حیات ہی میں ملک کے طول وعرض میں آپ کے فتاویٰ کو درجہ استناد حاصل ہوگیا تھا فتاویٰ میں آپ کا طرز تحریر نہایت جامعہ ہے۔'' (۲۹)

مگر امام احمد رضا نے مفتی عزیز الرحمٰن کا فتویٰ دیگر استفتاء کی عبارات کی روشنی میں علمی دلائل کے ساتھ غلط ثابت کیا کیونکہ مولوی عزیز الرحمٰن نے استفتاء میں پوچھے گئے سوال:

''کیا باوجود قبضہ قدیم (۴۰ سال) کے اس کو بعذر مذکور دیانۃً حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف وابرار عن الدعویٰ ومرور میعاد سماعت شرع اقدس میں قضا دعویٰ اس کا قابل سماعت ہے یا نہ۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد ۸ ص ۱۱۰)

کا انتہائی مختصر، نامکمل اور بغیر تحقیق کے چند سطروں میں جواب دے دیا جس کا ذکر محمد غوث بخش نے بھی اپنے استفتاء میں کیا کہ ''مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کردیا جس پر بڑی حیرت دامن گیر ہے۔''

اعلیٰ حضرت نے مفتی دیوبند کی علمی گرفت فرمائی چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

''ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھے اور بلا عذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے، علمائے کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعویٰ نامسموع رکھا اور یہ حکم فقہی ہے نہ بربنائے منع سلطانی اس کی بعض عبارات فتاویٰ بہاولپور (فتویٰ جی جی خانپور ص ۱۱۰۔۱۱۲ فتاویٰ رضویہ) میں ہیں اور کثیر وافر ہمارے فتاویٰ میں۔ یہ حکم دیانۃً نہیں محض قضا ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی **کما نصو اعلیه**.

سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کردیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاء دعویٰ اس کا قابل سماعت ہے یا نہ مجیب نے تصریح کردی تھی کہ صحت قضا کے لئے صحت دعویٰ شرط ہے اور وہ یہاں نہیں، دعویٰ قضا قابل اخراج ہے اور یہ عبارت (علامہ شامی کی) کہ ''**الحق لا یسقط بتقادم الزمان**'' حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتویٰ

دیوبند (مفتی عزیز الرحمٰن) کی حماقت ہے۔ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتی آخرالکتاب کا حوالہ دیا اسی جگہ فرمادیا تھا۔

''ثم اعلم ان عدم سماعها ليس مبينا على بطلان الحق حتى يردان هذا قول مهجور لانه ليس ذلك حكما ببطلان الحق وانما هو امتناع عن القضاة عن سماعها خوفا من التزوير ولدلالته الحال كمادل عليه التعليل والا فقدقالوا ان الحق لايسقط بالتقادم كمافى قضا الاشباه فلا تسمع الدعوى فى هذه المسائل معه بقاء الحق للاخرة ولذا لوا قربته الخصم يلزمه''

(الشامی ج۵ص۳۶-۷)

یہاں علامہ شامی نے ''الحق لایسقط بالتقادم'' جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اس کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعویٰ مسموع نہیں اور یہ کہ اس پر ''الحق لایسقط بالتقادم'' وارد نہیں۔یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا اور جس سے وہ جواب دے چکے اس کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجب جہالت ہے بلکہ جواب صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہوا گر سو برس بھی گزر جائیں مانع دعویٰ نہیں'' (فتاویٰ رضویہ جلد۸ص۱۱۳-۱۱۷)

آخر میں مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی کا فتویٰ بھی من وعن نقل کیا جارہا ہے تاکہ اہل علم حضرات ان کی فتاویٰ نویسی کا اندازہ کرسکیں کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کا افتاء میں کیا مقام ہے۔فتویٰ ملاحظہ کیجئے:

جواب دیوبند:

''اقول قال فى الدرالمختار ، لاتتم بالقبض فيما يقسم ولووهبه شريكه اولا جنبى لعدم تصور القبض الكامل كمافى عامته الكتب فكان هو المذهب......الخ ولو سلمه شايعا لايملكه الخ درمختار''وفى ردالمحتار وكمايكون لواهب الرجوع يكون لوارثه بعد موته الخ فهذا يفيد ان للواهب استر داده من ورثته الموهوب له وايضا الحق لايسقط بتقادم الزمان كما حققه المحقق الشامى فى مسائل شتى من آخر الكتاب واللّٰه تعالىٰ اعلم بالصواب''۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۳۷ھ

(فتاویٰ رضویہ جلد۸ص۱۱۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ السامی علم فقہ کی سب سے مشکل شاخ ''علم المیراث'' میں بھی تمام علوم کی طرح بھرپور دسترس رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست بہاولپور کے علاوہ دیگر ریاستوں کے مفتیوں اور قاضی حضرات اور عدالتوں کے جج اور وکلاء حضرات کے کثیر تعداد میں استفتاء بریلی پہنچتے تھے اور آپ ہمیشہ سہل اور مدلل جواب تحریر فرماتے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم میراث ایک مشکل فن ہے اور ہر دور میں بہت کم فقہا اس پر عبور رکھنے والے پائے جاتے ہیں یہاں صرف ریاست بہاولپور سے بھیجے گئے استفتاء کی روشنی میں جائزہ لیں کہ وراثت سے متعلق جن جن مسائل میں بھی اعلیٰ حضرت سے استفسار کیا گیا وہ تمام جج صاحبان، مفتیان کرام اور فقہا پر مکمل عبور رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں آپ نے مفتیان کرام کے فتوؤں اور جج صاحبان کے فیصلوں کو بھی درست کیا ان کی اغلاط کی نشاندہی بھی کی وغیرہ وغیرہ اگر ان معاملات میں اعلیٰ حضرت سے رجوع نہ کیا جاتا تو تمام فیصلے اور فتوے غلط تھے جو کسی کے حق تلفی کا باعث ہوتے۔ معلوم ہوا کہ فقیہہ اسلام امام احمد رضا خان محدث بریلوی فقیہہ بھی ہیں اور قاضی بھی ایک بہترین منصف وجج بھی ہیں اور مفتی بھی، وکیل بھی ہیں اور محقق بھی۔ یہ ساری خوبیاں جس فرد واحد میں جمع تھیں، اس کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا اور وہ سب کے لئے قابل قبول ہی ہوتا ہے اس کو اپنے فتوے سے رجوع کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ یہ اللہ تعالیٰ ﷻ کی امام احمد رضا پر خصوصی کرم نوازی تھی وہ جسے چاہے جتنا چاہے عطا فرمائے۔

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا (پارہ ۳، سورۃ البقرۃ، ایت ۲۶۹)

''اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔''

پیر نور محمد ولد پیر قمر الدین صادق پور

علم میراث ہی سے متعلق ایک اور پیچیدہ مسئلہ ریاست بہاولپور سے ۳ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ میں پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمر الدین صاحب نے تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ پیر نور محمد صاحب کے حالات تذکروں میں نہیں مل سکے مگر آپ کا دلچسپ، نہایت پیچیدہ اور طویل استفتاء اس بات پر غمازی کرتا ہے کہ آپ خود عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ کی اچھی سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے۔ پہلے اس استفتاء کی چیدہ چیدہ گزارشات نقل کی جارہی ہیں پھر اعلیٰ حضرت کے جواب سے چند اقتباسات بھی نقل کئے جائیں گے تاکہ پڑھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث بنیں۔ پیر نور محمد استفتاء کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدر الدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ

رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے دونا بالغ بیٹے اللہ بخش والٰہی بخش موجود تھے۔ اور تیسرا جوان بیٹا اللہ دتہ تھا۔ صدرالدین نے وقت نکاح مذکور سے رنگ بھری کو مثل زوج کے پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشہ حرام میں تھی۔ یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں سے ایک کی شادی بھی پیر موصوف نے کردی تھی۔ رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشہ حرام میں ہے۔ صدرالدین کے دو بیٹے زوجہ خاندانی مسماۃ نور سائن سے تھے، بدرالدین اور سراج الدین۔ پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاک پٹن شریف علاقہ انگریزی میں تھی جس کی تفصیل بھی منسلک ہے۔

صدرالدین نے ۱۳ شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔ اللہ بخش والٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دے کر ضلع منٹگمری میں بعض جائداد واقع علاقہ انگریز کا داخل خارج چاہا، جون ۱۸۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وفریق دوم کے بیانات ہوئے جن میں بدرالدین نے ان (اللہ بخش اورالٰہی بخش) کے پسران صدرالدین ہونے سے انکار کیا۔ شیخ لطافت علی نائب تحصیل دار نے ۲۷ ستمبر ۱۸۹۲ء کو ایک نقل رواج عام اقوام چشتی کے بنا پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدرالدین قرار دے کر اندراج نام کا حکم دیا۔ بدرالدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدرالدین نے کسی دباؤ و مصلحت سے راضی نامہ کرلیا۔ الخ سراج الدین اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا نہ وہ وہاں موجود تھا۔ (فتاوٰی رضویہ ج ۷ ص ۴۴۳۔۴۴۴)

وراثت کے اس مسئلے میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہیں اور مسئلہ تحصیل منچن آباد میں ۱۸۹۲ء سے لے کر ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۸ء تک چلتا رہا یہاں تک کہ پھر بحکم مولوی عبدالملک افسر مال نے ثالثی کی طرف طرفین کو رجوع کروایا اور چار ذی علم ثالث مقرر ہوئے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

☆......مولوی عطا محمد مدرس پھونگا والہ

☆......مولوی عبدالرحیم صاحب مدرس اول خانقاہ مہاران شریف

☆......مولوی اللہ بخش چک نادرشاہی

☆......مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب

چاروں ثالث کے درمیان شرط تحریر ہوئی اگر روداد مسل سے مدعیوں کا اولاد پیر صدرالدین ہونا شرعاً ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں نے اثبات کیا، افسر مال

نے کثرت رائے پر فیصلہ دے دیا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۴۵)

پیر نور محمد استفتاء کی تفصیل کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر دو فتوائے ثالثان وفیصلہ نظامت وفیصلہ افسر مال و اظہارات گواہان فریقین و جملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصا لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ تین ثالث صاحبوں کا پہلا فتویٰ اور ثالث چہارم کا فتویٰ دوم ان میں کونسا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان کو ثابت النسب مانا ہے وہ شرعا صحیح ہیں یا غلط۔ نیز از روئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں اور بالجملہ روداد مسل موجود سے بحکم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہیے یا ڈس مس۔ کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کے لئے واقعہ استثنا کا خلاصہ یہاں گذارش الخ (یہ تفصیلا ۲۱ نکات پر فتاویٰ رضویہ کے صفحہ ۴۴۵ سے ۴۵۱ تک موجود ہیں) (فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۴۵)

امام احمد رضا محدث بریلوی کا جواب انتہائی تفصیل کے ساتھ جلد ہفتم ص ۴۵۱ تا ۴۶۹ تک پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے آپ نے پہلے تمام دی گئی تفصیلات کا تجزیہ کیا پھر ہر ہر بیان اور پیشی پر غلطیوں کی نشاندہی کی اور پیچیدگیوں کو سلجھایا، چاروں ثالثان کی لاپرواہی کی جانچ پڑتال بھی فرمائی اور افسر مال کے فیصلے کو باطل قرار دیا۔ یہاں اعلیٰ حضرت کے اس طویل جواب کا نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ آپ نے خود ابتداء میں خلاصہ جواب لکھا ہے وہ نقل کیا جارہا ہے تفصیل فتاویٰ رضویہ کی جلد ہفتم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

الجواب: **اللھم ھدایہ الحق والصواب!** قبل اس کے کہ ہم بتوفیق الٰہی یہاں حکم شرعی بیان کریں اتنی گزارش فریقین مقدمہ وحکام سب سے ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے، ریاست مسلمانوں کی ہے۔ ابتدا ہی میں فریقین پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا۔ حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہرہ کے موافق فیصلہ کرتے، **قال اللہ تعالیٰ**

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۶۵)

"تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔"

(مزید دلائل فتاویٰ میں ملاحظہ فرمائیں)

اب کہ معاملہ ثالثی تک پہنچا اور اہل ثالث کئے گئے اور ان سے فتویٰ طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہرہ پر بنائے کار رہی وہ لہٰذا اقرار نامہ میں فریقین نے لکھ دیا تھا کہ

''کل مقدمہ سپرد ثالثان کر کے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔''

اب صرف اتنا دیکھنا رہا فتوائے ثالثان صحیح و مطابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم، قانون یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلاً اتفاق نہیں نہ یہ کہ معاذ اللہ شرعی احکام کو تاویلات دور از کار کر کے قانون ورواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا۔ **واللہ الھادی**

اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں **وباللہ التوفیق!**

کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے مدار حکم رکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے۔

☆...... ایک یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے، نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار تھا، نہ ان کا فیصلہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

☆...... دوم اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انہیں خاص اس فیصلہ کا اختیار نہ تھا جو انہوں نے دیا۔

☆...... سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نہ معتبر ہے۔

☆...... چہارم ان سب سے درگذرئے اور نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تین ثالثوں نے کیا وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا۔

اب ان سب کو بتوفیق اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۵۱۔۴۵۲)

امام احمد رضا نے بدلائل شرعیہ اس کا تفصیل سے جواب دیا ہے اول پنچائیت کے فیصلے سے متعلق اظہار خیال کیا اور چار وجوہات سے غلط قرار دیا پھر کاغذ اول رپورٹ پٹواری پر ۱۳ اعتراضات فرمائے اس کے بعد ''کاغذ دوم رواج عام'' پر دس نکات پر تعجب کا اظہار فرمایا۔ ''کاغذ سوم صلح نامہ پیر بدر الدین'' کو ۷ وجوہ سے کالعدم قرار دیا۔ ''کاغذ چہارم شجرہ نسب'' سے متعلق فرمایا کہ یہ تحقیق پر مبنی نہیں۔ ''کاغذ پنجم اظہار منجن آباد'' کی رپورٹ پر بھی ۱۴ اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ اسی طرح ''کاغذ ششم تحریر مولوی نور الدین'' پر بھی ۱۶ اعتراضات فرمائے اور آخر میں ثالثان کے فیصلے پر ۱۸ اعتراضات بتائے اور ان سب کا حل بھی بتاتے رہے یہاں صرف آخری بحث ہی قارئین کی دلچسپی کے لئے لکھی جارہی ہے ملاحظہ کیجئے:

’’بحمد اللہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ وبے اعتبار۔رویداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی۔سخت محل افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات وشہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ نمبر ۲۰......الخ اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسر مال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقے کے تمام سربرآوردہ اشخاص اور چشتیوں کو طلب کیا مگر بے تحقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روائداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا دیکھو افسر مال فقرہ ۲۴ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے،

غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدرالدین ہونا ثابت نہیں.....تمام کاغذات وشہادت موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز وقاصر ہیں،ان کا دعویٰ نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہ حاصل،لہٰذا دعویٰ مدعیان باطل......یہاں اور ابحاث فقیہہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گذارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے۔ وباللّٰہ توفیق سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔(فتاویٰ رضویہ جلد ۷ ص ۴۶۹_۴۵۲)

مولانا عبدالرحیم

مولانا عبدالرحیم کا تعلق ریاست بہاولپور کے علاقے خیر پور ٹالی اسٹیشن ٹامی والے سے ہے۔آپ کے حالات حاصل نہ کئے جاسکے البتہ فتاویٰ رضویہ میں ان کی طرف سے بھیجے جانے والے استفتاء سے معلوم ہوا کہ آپ مدرسہ عربیہ خیر پور میں معلم کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔پیر نور محمد کے استفتاء میں جن ۴ ثالثان کا ذکر ہے اس میں بھی آپ کا نام شامل ہے اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے علاقے کے معزز علماء میں شمار ہوتے ہوں گے جبھی شرعی معاملات میں عوام الناس آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مولانا عبدالرحیم نے جس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت سے استفسار فرمایا وہ بھی وراثت سے متعلق ہی مسئلہ تھا آپ اعلیٰ حضرت کی طرف استفتاء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسئلہ : از خیر پور ٹالی اسٹیشن ٹامی والے ریاست بہاولپور برخانقاہ مبارک عبدالرحیم نائب معلم مدرسہ عربیہ خیر پور اشرفیہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور خالد دونوں بھائی حقیقی ہیں، مسمی زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا ہے اور اس کا برادر خالد موجود ہے اور زید مرحوم کی دو بیٹیاں اور دو بیویاں موجود ہیں۔ زید مرحوم کے داماد نے مسمی خالد کو کہا بموجب شریعت مبارکہ حصہ تقسیم ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہم تم اہل اسلام پابند شریعت کے ہیں شرع محمدی پر فیصلہ ہونا چاہیے۔ خالد جو مال متروکہ زید پر قابض و جابر ہے صاف کہہ دیا کہ ہم کو شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور......اب فرمائیے کہ عندالشریعت خالد کا کیا حکم ہے نکاح رہا یا فسخ ہوگیا......

الجواب: اگر یہ بیان واقعی ہے تو خالد پر حکم کفر ہے اور یہ کہ اس کا نکاح فسخ ہوگیا اس پر توبہ فرض ہے نئے سرے سے اسلام لائے......اس کے بعد عورت اگر راضی ہو اس سے دوبارہ نکاح کرے (اس کے بعد عالمگیریہ اور دیگر کتب سے دلائل دیئے گئے ہیں)

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۵۸۔۱۵۹)

مولانا عبدالرحیم صاحب نے اس سے ملتا جلتا ایک اور مسئلہ دوبارہ دریافت کیا اور بہت ممکن ہے اسی مسئلہ پر اتمام حجت کے لئے دوبارہ استفتاء کیا ہو یہ مسئلہ آپ نے ۲ صفر ۱۳۳۹ھ میں بریلی بھجوایا تھا استفتاء ملاحظہ کیجئے:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بیانی ہے کہ مجھے فیصلہ شرع محمد کا منظور و قبول نہیں ہے، بلکہ رواج و قانون منظور ہے......یہ سخن بلا دریغ عوام الناس میں کہہ دیا ہے، عندالشریعت اس کے ساتھ یعنی زید کے ساتھ شریعت مبارکہ کا کیا ارشاد ہے صاف خوشخط استفتاء پر جواب فرمادیں۔ اجرت جواب آنے پر دی جائے گی۔

الجواب: یہاں فتوے پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی، نہ پہلے نہ بعد میں، نہ اپنے لئے روا رکھا جاتا ہے۔ بیان مذکورہ سوال اگر واقعی ہے تو زید پر تجدید اسلام واجب ہے، توبہ کرے اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۷۱)

اس استفتاء میں اور جج محمد دین کے بھیجے ہوئے استفتاء میں جواب طلبی پر اجرت دینے کا ذکر ہے مگر امام احمد رضا نے اس کو سختی سے رد فرمایا۔ جج محمد دین کے بھیجے ہوئے منی آرڈر کو واپس کر دیا اور اسی طرح مولانا عبدالرحیم کے اس جملے کا کہ اجرت "جواب آنے پر دی جائے گی" کا سختی سے جواب دیا کہ نہ اول اجرت لی جاتی ہے نہ بعد اور نہ اس کو روا رکھا

جاتا ہے مگر محسوس یہ ہوتا ہے کہ مفتیان حضرات فتویٰ فیس لیتے ہوں گے اس لئے اعلیٰ حضرت کو بھی بھیجی گئی اور اس کے بھیجنے کا اظہار کیا لیکن اعلیٰ حضرت کا تقویٰ اور عمل یہ ہے کہ ''ان اجری الاعلی رب العالمین۔''

سید سردار احمد شاہ گڑھی اختیار خاں

ریاست بہاولپور میں ضلع رحیم یار کے علاقے گڑھی اختیار خاں کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں کی سرزمیں پر بھی کثیر تعداد علماء ومشائخ کی پائی جاتی ہے...... ابوالنصر سید سردار احمد شاہ قادری کا خاندان علم وفضل اور شریعت وطریقت کا اپنے علاقے میں بالخصوص امین رہا ہے..... آپ کے والد ماجد پیر سید محمد جعفر شاہ گڑھی اختیار خاں کے نوابین کے اصرار پر شکار پور سندھ سے نقل مکان کر کے گڑھی اختیار خاں میں آباد ہو گئے جہاں ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں سید سردار احمد شاہ قادری کی ولادت ہوئی (۳۰) تکمیل علوم کے بعد سندھ کی معروف درگاہ بھرچونڈی شریف{۷} سکھر کے سجادہ نشین غوث وقت، ہادی گمراہان، حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۶ھ) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت سے بھی نوازے گئے...... آپ کو عربی فارسی، سندھی، سرائیکی اور اردو زبان پر یکساں عبور حاصل تھا۔ اپنے دور کے نامور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا مجموعہ کلام فارسی، سندھی، عربی اور سرائیکی زبانوں پر مشتمل ہے ......(۳۱)

سید سردار احمد شاہ قادری علیہ الرحمہ کو امام احمد رضا بریلوی سے عشق کی حد تک عقیدت تھی...... اعلیٰ حضرت کا نعتیہ کلام اکثر آپ کی زبان پر جاری رہتا یہاں تک کہ زندگی کے آخری لحات میں بھی شب وصال اپنے صاحبزادے سید مغفور القادری{۸} سے اعلیٰ حضرت کی نعت سنی۔ (۳۲)

سید سردار احمد شاہ کئی سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ دوسرے حج کے موقعہ پر جب مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے تو سید سردار احمد شاہ سے آپ کی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ ان ملاقاتوں کی تفصیل اور ایک وقت کا کھانا ساتھ کھانے کے واقعہ کو آپ کے نبیرہ مولانا پیر سید محمد فاروق القادری ساکن آستانہ عالیہ شاہ آباد گڑھی اختیار خاں مؤلف ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' نے اپنے ایک مکتوب میں کی جو انہوں نے ماہنامہ رسالہ ''جہان رضا'' کے ایڈیٹر کو لکھا تھا۔'' (۳۳)

سید سردار احمد شاہ قادری نے ۱۳۳۹ھ میں بزبان فارسی ایک استفتاء نکاح سے متعلق درگارہ بھرچونڈی شریف سے روانہ کیا تھا جس زمانے میں آپ یہاں مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے تھے اس کا ذکر راقم اپنی تالیف

''امام احمد رضا اور علمائے سندھ'' میں کر چکا ہے۔ مگر آپ کا تعلق کیوں کہ ریاست بہاولپور سے ہے اس لئے یہاں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے...... آپ کا استفتاء فتاویٰ رضویہ کی جلد پنجم کے حصہ سوم کے صفحہ ۹۹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ابوالنصر سید سردار احمد شاہ قادری کا وصال ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۱ء میں ہوا اور وہیں آبائی گاؤں میں آپ کا مرقد مرجع خلائق ہے۔

سید سردار احمد شاہ قادری کے نبیرہ صاحبزادہ پیر سید محمد فاروق القادری ابن سید مغفور القادری اپنے اسلاف کی ریاست بہاولپور میں خدمات کا اظہار فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

میں فخراً یہ بات کہتا ہوں کہ سابق ریاست بہاولپور اور سندھ میں ہمارے خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے فاضل بریلوی (مولانا احمد رضا) سے رابطہ کیا اور ان کے سیاسی اور روحانی افکار کی اشاعت کا پلیٹ فارم مہیا کیا۔ (۳۴)

اسی مکتوب میں اپنے جدامجد حضرت ابوالنصر سید سردار احمد شاہ قادری کی اہم ترین خدمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فتاویٰ رضویہ میں متعدد مقامات پر بھرچونڈی شریف کے شیخ الثانی ہادی گمراہاں حضرت حافظ محمد عبداللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ اور راقم کے جدامجد شیخ المشائخ حضرت ابوالنصر سید سردار احمد شاہ قادری کا ذکر آیا ہے۔ ان بزرگوں نے تحریک ہجرت کے موقعہ پر اعلیٰ حضرت سے فتوے منگوا کر پورے سندھ میں ان کی نشر و اشاعت کی کہ ہندوستان اور سندھ دارالحرب نہیں ہیں اسی طرح ان بزرگوں نے تحریک ہجرت کو اپنے گڑھ میں ناکام کر کے لاکھوں مسلمانوں کو نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ سے بچایا۔'' (۳۵)

ریاست بہاولپور ایک سنی المذہب اسلامی ریاست تھی وہاں کے علماء و فضلا اور مفتیان مجدد دین و ملت امام احمد رضا سے اکثر استفتاء کرتے اور ہر علمی الجھن کے سلسلے میں آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے جیسا کہ اس مقالے میں ظاہر ہے امام احمد رضا کا علمی اور روحانی فیض آج بھی موجود بہاولپور، رحیم یار خاں اور ڈیرہ غازی خاں میں جاری و ساری ہے۔ کئی مدارس اور دارالعلوم آپ کے نام سے موسوم ہیں۔

بہاولپور سے مسعود حسن شہاب دہلوی ہفت روزہ ''الہام'' نکالتے تھے جو ان کے انتقال کے بعد بھی جاری ہے اس اخبار میں اکثر امام احمد رضا کی نعتیں شائع ہوتی ہیں اور ان کے یوم وصال کے موقعہ پر مضامین بھی شائع ہوتے ہیں اور کبھی کبھی اعلیٰ حضرت نمبر کا بھی اجراء ہوتا ہے۔ مفتی سراج احمد خانپوری کے تلمیذ رشید حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی مہتمم دارالعلوم اویسیہ رضویہ، مسلک اعلیٰ حضرت کو پچھلے کئی دھائی سے بہاولپور میں فروغ دے رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف صدر شعبہ اردو، ایس ای کالج بہاولپور ایک جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں آپ نے سندھ کے حوالے سے امام احمد رضا پر پہلا مقالہ قلمبند کیا تھا جو معارف رضا شمارہ ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء میں شائع بھی ہوا۔ گڑھی اختیار خاں کے معروف علمی شخصیت پیر محمد فاروق القادری نے بھی اعلیٰ حضرت کے حوالے سے ایک بہت عمدہ تالیف ''فاضل بریلوی اور امور بدعت'' کے نام سے تحریر فرمائی تھی جس کو عوام الناس نے بے حد پسند فرمایا۔ الغرض خطہ ریاست بہاولپور میں امام احمد رضا پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے قبل بھی مشہور و معروف تھے اور دشمنانِ دین کے منفی کوششوں کے باوجود آج بھی مقبول و معروف ہیں۔

نوٹ: راقم اس مقالے کے سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کا مشکور ہے جن کے قیمتی مشوروں نے میری بہت مدد فرمائی اور ساتھ ہی نبیرہ حضرت علامہ امجد علی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عطاالمصطفیٰ مدظلہ العالی کا ممنون ہے جنہوں نے اس مقالے کو مکمل پڑھا کیوں کہ اس میں خاصے ٹیکنیکل قسم کے استفتاء تھے۔ مولانا عطاالمصطفیٰ آج کل دارالعلوم امجدیہ رضویہ میں مفتی عبدالعزیز حنفی کے ساتھ مسند افتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

نوٹ: {۱} اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی حیات میں مرجع خلائق تھے اس کا اعتراف نہ صرف بریلی اور ہندوستان کے علماء وفضلاء کرتے ہیں بلکہ موجودہ پاکستان کے بھی بیشتر علاقوں سے جب استفتاء بریلی پہنچتے تو اس میں مستفتی برملا بریلی کے دارالافتاء کو مرکز قرار دیتا۔ ایسا ہی ایک اعتراف مجلس ''جمعیۃ الاحناف'' جو ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء میں سندھ کے شہر کراچی میں حضرت مولانا غلام رسول القادری القلندری (م ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کی سربراہی میں قائم ہوئی اس کے ناظم اعلیٰ مولانا سید محمد حسن قادری عرف محمد علم الدین حنفی القادری نے ۱۳۳۲ھ میں بریلی شریف بھیجے گئے ایک استفتاء میں کیا: یہ استفتاء انجمن خدام کعبہ سے متعلق ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:۔

''چونکہ آج کل تمام اہلسنت کا رجوع دارالافتاء بریلی ہی کی طرف ہے لہٰذا یہاں سے خاطر خواہ جواب آنے پر ہم سب مسلمانوں کو تشفی ہوجائے گی خاص کر ہم سنیوں کے پیشوا، مسلمانان ہندوستان کے امام ومقتدا اعلیٰ حضرت مجدد ماتہ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کی مہر و تصحیح و تصدیق ہم سب کی مشکل کشائی و بے حد تسلی و خاطر خواہ تشفی کا موجب ہوگی۔'' (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۲۴۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

{۲}......ججی خانپور ڈسٹرکٹ بہاولپور کے جج تھے یہ غالباً جج محمد اکبر ہیں جو ججی کے عرف سے مشہور ہوئے۔ بہاولپور کے

معروف قلمکار جناب مسعود حسن شہاب دہلوی جج محمد اکبر کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بعض لوگوں کے ساتھ ان کا عہدہ نام کا جزو بن جاتا ہے (جیسے ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ڈپٹی کے عرف سے مشہور ہوئے) جج محمد اکبر بھی ان لوگوں میں تھے جن کی ججی ان کے نام کا سابقہ بن گیا۔ آپ نے چیف کورٹ میں شتہ دار کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا اور ترقی پاتے ہوئے ریاست کے چیف کورٹ بھی مقرر ہوئے لیکن اصل شہرت آپ کو بطور ڈسٹرکٹ جج کے حاصل ہوئی تھی جب آپ نے مرزائیوں کو ایک مقدمے میں خارج اسلام قرار دیا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا عدالتی فیصلہ تھا۔

جج محمد دین اکبر دینی فکر کے حامل ایک صالح بزرگ تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور سنت نبوی کی پیروی میں کوشاں۔ اکثر نماز محلّہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتے۔ آپ کو حضور اکرم ﷺ سے عشق کی حد تک عقیدت تھی۔ ہر سال ''عید میلاد النبی ﷺ'' بڑی تزک و احتشام سے منایا کرتے تھے۔ چیف کورٹ سے ریٹائرمنٹ کے بعد ریاست کے محکمہ مذہبی امور کے ناظم مقرر کیے گئے۔ آپ ہی کی کوششوں سے ''شعبہ افتاء'' قائم ہوا آپ نے ۵ مئی ۱۹۵۲ء میں انتقال فرمایا۔

(مشاہیر بہاولپور ص ۴۶۔۴۸)

{۳}......میر سراج الدین کے صاحبزادے میر عبدالجمیل (م ۱۹۷۹ء) بھی تقویٰ طہارت میں اپنے والد کا نمونہ تھے۔ آپ بھی ۱۹۵۸ء تک ڈسٹرکٹ سیشن جج بہاولپور رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد میر صاحب کی دلی خواہش تھی کہ زندگی کے باقی ایام مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں گذاریں۔ ان کا یہ سچا عشق آپ کو دیار حبیب ﷺ لے گیا اور زندگی کا بقیہ حصّہ آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں گذارا اور وہیں انتقال فرمایا۔ آپ جنت البقیع میں امہات المؤمنین کے قدموں میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

(مسعود حسن شہاب دہلوی، مشاہیر بہاولپور ص ۴۶)

{۴}......استاذ العلماء شیخ الحدیث والتفسیر، مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ محمد وقار الدین ابن حافظ حمید اللہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۱۵ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تحصیل علم مدرسہ منظر الاسلام کے علاوہ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ سے کیا۔ آپ کے اساتذہ میں کئی نامور علماء کے نام آتے ہیں مثلاً مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالحق، مولانا محمد سردار احمد لائلپوری اور مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی رحمہم اللہ وغیرہ۔ آپ نے ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۷ء مدرسہ منظر اسلام میں تدریسی خدمت انجام دی پھر ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء تک چٹاگانگ (بنگلہ دیش) کے جامعہ احمدیہ سنیہ میں تدریس فرماتے رہے اور ۱۹۷۲ء

تاوصال مبارکہ دارالعلوم امجدیہ رضویہ میں دیگر فنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے۔آپ کے فتاویٰ کا ایک بڑا ذخیرہ دارالعلوم میں موجود ہے جو جدید مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آپ کا مجموعہ فتاویٰ سنگ میل ثابت ہوسکتا ہے۔بشرطیکہ دارالعلوم کے ذمہ دار افراد اس کی طباعت کا اہتمام فرمائیں۔آپ حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں قادری سے ارادت رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے آپ نے سلسلہ بھی شروع کیا تھا۔ آپ کا وصال ۱۹۹۰ء میں ہوا اور دارالعلوم امجدیہ کے احاطہ میں علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری ابن مولانا محمد امجد علی اعظمی کے ساتھ آرام فرمارہے ہیں۔آپ کی ذات مسلک امام احمد رضا کی پرُتو تھی اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر رحمتوں کی بارشیں نازل فرمائے آمین۔ (مجید)

{۵}......حضرت خواجہ غلام فرید ابن حضرت خدا بخش (م ۱۲۲۹ھ) ابن حضرت خواجہ احمد علی (م ۱۲۳۱ھ) چاچڑاں شریف میں (۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء) میں پیدا ہوئے آپ کے والد سکھوں کے مظالم سے تنگ آکر کوٹ مٹھن سے نواب صادق محمد خاں اول کی درخواست پر چاچڑاں تشریف لے آئے۔ظاہر و باطنی علوم و معارف اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ فخر جہاں غلام فخر الدین (م ۱۲۸۸ھ) سے حاصل کئے اور مرتبہ کمال کو پہنچے بھائی کے وصال کے بعد آپ ہی سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت غلام فرید علیہ الرحمہ ریاست بہاولپور کی مقامی سرائیکی زبان کے بے تاج بادشاہ تھے آپ کو ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

''جس قوم میں خواجہ غلام فرید اور اس کی شاعری موجود ہے اس قوم میں عشق و محبت کا موجود نہ ہونا تعجب انگیز ہے۔''

خواجہ غلام فرید مسئلہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے حامی تھے اور آپ نے اس کا برملا اظہار اپنی اردو، فارسی اور ملتانی زبان کی شاعری میں فرمایا۔آپ شریعت مطہرہ اور سنت مبارکہ پر سختی سے کاربند تھے۔آپ نے چاچڑاں میں ''جامعہ فریدیہ'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔جہاں آپ خود بھی درس حدیث اور درس تصوف دیتے تھے مسلک اہلسنّت و جماعت پر کسی کو فوقیت نہ دیتے۔ایک دفعہ شوال ۱۳۰۶ھ میں مولانا غلام دستگیر قصوری (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) نے ''براہین قاطعہ'' کی بعض عبارات پر گرفت کی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (مدرس اول جامعہ عباسیہ بہاولپور) سے ان عبارات پر مناظرہ کیا تو اس مجلس کے حکم (منصف) نواب بہاولپور نواب محمد صادق عباسی کے پیرو مرشد حضرت خواجہ غلام فرید صاحب ہی تھے۔آپ نے فیصلہ دیا تھا کہ متنازعہ فیہا عبارات وہابیت کی ترجمانی کرتی ہیں اور وہ مسلک اہلسنّت کے خلاف

ہیں۔(اس کی تفصیل دیکھئے فقیر کا رسالہ "مناظرہ بہاولپور مع فیصلہ خواجہ غلام فرید" اویسی غفرلہ)

آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ آپ کا وصال ۱۹ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں ہوا آپ کا مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔(عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہلسنّت ص ۳۲۱۔۳۲۴)

{۶}......حضرت علامہ الشیخ السید محمد امین عابدین ابن السید الشریف عمر عابدین (م ۱۲۵۲ھ) کی مشہور و معروف تصنیف ردالمحتار کے نام سے ملقب ہے جو ۵ جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ شامی کی اس کتاب پر امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے جدالممتار کے نام سے حاشیہ لکھا تھا آپ خود اس سلسلے میں رقم طراز ہیں۔

"میں نے جملہ علوم کی بڑی بڑی کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے اب تک جاری ہے کیوں کہ اس وقت میرا دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی اگر وہ میرے ملک میں ہے تو اس پر حواشی لکھ دیئے اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اعتراض لکھ دیا اور اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اس کی پیچیدگی دور کر دی۔ حنفی اصول فقہ کی کتاب "مسلم الثبوت" پر "صحیح بخاری" کے نصف اول پر "صحیح مسلم" اور "جامع ترمذی" پر "شرح رسالہ قطبیہ پر حاشیہ" امور عامہ پر اور "شمس بازغہ" پر حواشی اس وقت لکھے جب کہ طالب علمی کے زمانے میں اپنے سبق کے لئے مطالعہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں "تیسیر" "شرح جامع صغیر" پر "شرح چغمینی" اور "تصریح" پر اقلیدس کے تین مقالوں اور علامہ شامی کی "رد المحتار علی الدر المختار" پر بھی حواشی لکھے۔ ان سب میں پچھلی یعنی "ردالمحتار" کے حواشی سب سے زیادہ ہیں، مجھے امید ہے کہ اگر انہیں کتاب سے الگ کر دیا جائے تو دو جلدوں سے بڑھ جائیں گے حالانکہ ان میں اپنی دوسری کتابوں اپنے فتاویٰ اور اپنی تحریرات کا حوالہ دے کر اشارات بھی کیے گئے ہیں۔

(امام احمد رضا الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ (۱۳۲۴ھ) بحوالہ رسائل رضویہ دوم ص ۳۰۹)

امام احمد رضا کا یہ حاشیہ "جدالممتار علیٰ ردالمحتار" کے نام سے موسوم ہے اور مبارک پور سے اس کی ابتدائی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اول جلد کراچی سے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے بھی ۱۹۸۵ء میں شائع کی تھی۔ یہ حاشیہ عربی زبان میں ہے اور عرب کے علماء نے اس کو بہت سراہا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں جب پاکستان میں عالمی سیرت کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہوئی تھی تو وہاں بیرونی ممالک سے آئے ہوئے علماء کو ادارہ کی جانب سے کتاب تقسیم کی گئی تھی۔ جلد ہی ادارہ اس کی دوسری جلد شائع کر رہا ہے۔ (مجید)

{۷}......اندرون سندھ شہر سکھر کے قریب خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف کا قیام حضرت حافظ محمد صدیق علیہ الرحمہ

(م ۱۳۰۸ھ) کے ذریعہ عمل میں آیا اس کی بنیاد ۱۲۵۸ھ میں رکھی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وادی مہران کی یہ عظیم خانقاہ بن گئی جہاں شریعت وطریقت دونوں کی پاسداری آج بھی جاری ہے۔ بانی درگاہ کے بھتیجے آپ کے وصال کے بعد جانشین قرار پائے اور ہادی گمراہان جیسے لقب سے ملقب ہوئے۔ حضرت حافظ محمد عبداللہ قادری نے ۲۵ برس کی عمر میں یہ ذمہ داری سنبھالی۔ آپ کی ذات سے نصف صدی تک رشد وہدایت اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا اور اپنے پیچھے ایک بڑی جماعت عارف اور درویش حضرات کی چھوڑی ان میں سید سردار احمد شاہ قادری بھی شامل ہیں۔ یہ سندھ ہی کی درسگاہ تھی جس نے سندھ سے مسلمانوں کی تحریک ہجرت کے وقت مخالفت کی اور حضرت حافظ عبداللہ قادری نے اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت سے بھی استفسار کیا اور اپنے استفتاء میں اعلیٰ حضرت کو مجدد ماۃ حاضرۃ تسلیم کرتے ہوئے آپ کی رائے طلب کی اور جواب ملنے کے بعد اپنی پوری توانائی اور یکسوئی کے ساتھ ہجرت کی مخالفت کی۔ سید سردار شاہ صاحب کے صاحبزادے سید مغفور القادری بھی اسی درگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔

(امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۴۷۔۵۵)

{۸}...... پیر سید مغفور القادری ابن سید سردار احمد شاہ قادری ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں گڑھی اختیار خاں ریاست بہاولپور میں پیدا ہوئے تاریخی نام ''مغفور'' لکھا گیا۔ مولانا سراج احمد خانپوری اور مولانا عبدالکریم ہزاروی سے تعلیم حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد خانقاہ بھرچونڈی کی درس گاہ میں کئی سالوں تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ نے بھرچونڈی شریف کے سجادہ نشین پیر عبدالرحمٰن ابن مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری کی قائم کردہ جماعت ''جماعت احیاء الاسلام'' کے ذریعے دوقومی نظریہ کی فضا ہموار کی اور شکارپور سے اخبار ''الجماعت'' کا اجرا بھی کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ منعقدہ کراچی ۲۴۔۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء میں جماعت احیاء الاسلام کے نائب صدر کی حیثیت سے شرکت کی اور اسے آل انڈیا مسلم لیگ میں مدغم کردیا۔ آپ نے مشائخ کو بھی منظم کرنے کے لئے ''تنظیم المشائخ'' قائم کی۔ آخر میں آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس میں شمولیت اختیار کرلی اور بنارس کانفرنس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء میں پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی سمیت ایک سو افراد کے ساتھ شرکت فرمائی۔ قیام پاکستان کے بعد سید مغفور القادری وطن مولوف میں آگئے۔ جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یارخاں میں بھی ایک سال تدریسی خدمت انجام دی۔

آپ کا وصال ۵ صفر ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء کو ہوا۔ حضرت سید احمد شرافت نوشاہی (گجرات) نے قطعہ تاریخ کہا جس کا تاریخی شعر یہ ہے۔

شرافت	چوپر	سند	سال	وصال
بگو	ہادی	عصر	مستور	شد

............۱۳۹۰ھ............

(تذکرۂ اکابر اہلسنت ص ۵۲۸۔۵۲۹)

تمت الرسالۃ بالخیر ۶ ربیع الاول شریف ۱۴۲۵ھ

فقط والسلام

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

بہاول پور۔ پاکستان